جلد 17 شمارہ 10 ماہ اکتوبر 2015ء ذی الحج / محرم الحرام 1437ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

محبت

اللہ

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالی کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

0344-9000042

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: خالد محمود بخاری 0300-7374750

نائب مدیر: حافظ محمد یٰسین

مجلس ادارت

خالد مسعود، ایم طالب

پیر خان، عتیق احمد عباسی

حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی

ماجد محمود توحیدی

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph: 055-3411035 / 055-3411030

ای میل: info@tauheediyah.com

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

درس قرآن انسان..... خسارے میں

(حضرت مولانا مودودیؒ)

وَالْعَصْرِ ٥ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ٥ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٥

ترجمہ :۔زمانے کی قسم! انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے''۔

اس سورۃ میں زمانے کی قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے، اور اس خسارے سے صرف وہی لوگ بچے ہوئے ہیں جن کے اندر چار صفتیں پائی جاتی ہیں:

(۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا (۴) ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔

اب اس کے ایک ایک جزو کو الگ لے کر اس پر غور کرنا چاہیے، تا کہ اس ارشاد کا پورا مطلب واضح ہو جائے۔

جہاں تک قسم کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے کسی چیز کی قسم اس کی عظمت یا اس کے کمالات و عجائب کی بنا پر نہیں کھائی ہے، بلکہ اس بنا پر کھائی ہے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں جسے ثابت کرنا مقصود ہے۔ پس زمانے کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جن میں یہ چار صفتیں پائی جاتی ہیں۔

زمانے کا لفظ گزرے ہوئے زمانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور گزرتے ہوئے زمانے کے لیے بھی، جس میں حال درحقیقت کسی لمبی مدت کا نام نہیں ہے۔ ہر آن گزر کر ماضی بنتی

چلی جارہی ہے، اور ہر آن آکر مستقبل کو حال، اور جا کر حال کو ماضی بنارہی ہے، یہاں چونکہ مطلقاً زمانے کی قسم کھائی گئی ہے، اس لیے دونوں طرح کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ گزرے ہوئے زمانے کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی تاریخ اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ جو لوگ بھی اس صفات سے خالی تھے، وہ بالآخر خسارے میں پڑ کر رہے۔ اور گزرتے ہوئے زمانے کی قسم کھانے کا مطلب سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جو زمانہ اب گزر رہا ہے، وہ دراصل وہ وقت ہے جو ایک شخص اور ایک ایک قوم کو دنیا میں کام کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ اس کی مثال اس وقت کی سی ہے جو امتحان گاہ میں طالب علم کو پرچے حل کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ یہ وقت جس تیز رفتاری کے ساتھ گزر رہا ہے، اس کا اندازہ تھوڑی دیر کے لیے اپنی گھڑی میں سیکنڈ کی سوئی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھنے سے آپ کو ہوجائے گا۔ حالانکہ ایک سیکنڈ بھی وقت کی بہت بڑی مقدار ہے۔ اسی ایک سیکنڈ میں روشنی چھیاسی ہزار میل کا راستہ طے کر لیتی ہے، اور خدا کی خدائی میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہوسکتی ہیں جو اس سے بھی زیادہ تیز رفتار ہوں، خواہ وہ ابھی تک ہمارے علم میں نہ آئی ہوں۔ تاہم اگر وقت کے گزرنے کی رفتار وہی سمجھ لی جائے جو گھڑی میں سیکنڈ کی سوئی کے چلنے سے ہم کو نظر آتی ہے، اور اس بات پر غور کیا جائے کہ ہم جو کچھ بھی اچھا یا برا فعل کرتے ہیں اور جن کاموں میں بھی ہم مشغول رہتے ہیں، سب کچھ اس محدود مدت عمر ہی میں وقوع پذیر ہوتا ہے جو دنیا میں ہم کو کام کرنے کے لیے دی گئی، تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ تو یہی وقت ہے جو تیزی سے گزر رہا ہے۔ امام رازی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ ''میں سورۂ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا: یہ ہے **والعصر ان الانسان لفی خسر** کا مطلب۔ عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے، وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے۔ اس کو اگر ضائع کیا جائے، یا غلط کاموں میں صرف کر ڈالا جائے تو یہی انسان کا خسارہ ہے'' پس گزرتے ہوئے

زمانے کی قسم کھا کر جو بات اس سورۃ میں کہی گئی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تیز رفتار زمانہ شہادت دے رہا ہے کہ ان چار صفات سے خالی ہو کر انسان جن کاموں میں بھی اپنی مہلت عمر کو صرف کر رہا ہے، وہ سب کے سب خسارے کے سودے ہیں۔ نفع میں صرف وہ لوگ ہیں جو ان چاروں صفات سے متصف ہو کر دنیا میں کام کریں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ہم اس طالب علم سے، جو امتحان کے مقررہ وقت کو اپنا پرچہ حل کرنے کے بجائے کسی اور کام میں گزار رہا ہو، کمرے کے اندر لگے ہوئے گھنٹے کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ یہ گزرتا ہوا وقت بتا رہا ہے کہ تم اپنا نقصان کر رہے ہو، نفع میں صرف وہ طالب علم ہے جو اس وقت کا ہر لمحہ اپنا پرچہ حل کرنے میں صرف کر رہا ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ خسارے کا لفظ قرآن مجید کس معنی میں استعمال کرتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے خسارہ نفع کی ضد ہے، اور تجارت میں اس لفظ کا استعمال اس حالت میں بھی ہوتا ہے جب کسی ایک سودے میں گھاٹا آئے، اور اس حالت میں بھی جب سارا کاروبار گھاٹے میں جا رہا ہو، اور اس حالت میں بھی جب اپنا سارا سرمایہ کھو کر آدمی دیوالیہ ہو جائے۔ قرآن مجید اسی لفظ کو اپنی خاص اصطلاح بنا کر فلاح کے مقابلے میں استعمال کرتا ہے، اور جس طرح اس کا تصور فلاح محض دنیوی خوشحالی کا ہم معنی نہیں ہے، بلکہ دنیا سے لے کر آخرت تک انسان کی حقیقی کامیابی پر حاوی ہے، اسی طرح اس کا تصور خسران بھی محض دنیوی ناکامی یا خستہ حالی کا ہم معنی نہیں ہے، بلکہ دنیا سے لے کر آخرت تک انسان کی حقیقی ناکامی و نامرادی پر حاوی ہے۔ فلاح اور خسران دونوں کے قرآنی تصور کی تشریح اس سے پہلے ہم متعدد مقامات پر کر چکے ہیں، اس لیے ان کے اعادے کی حاجت نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگرچہ قرآن کے نزدیک حقیقی فلاح، آخرت میں انسان کی کامیابی، اور حقیقی خسارہ وہاں اس کی ناکامی ہے، لیکن اس دنیا میں بھی جس چیز کا نام لوگوں نے فلاح رکھ چھوڑا ہے وہ دراصل فلاح نہیں ہے۔ بلکہ اس کا انجام خود اسی دنیا میں خسارہ ہے، اور جس چیز کو لوگ خسارہ سمجھتے ہیں وہ دراصل خسارہ نہیں ہے

بلکہ اس دنیا میں بھی وہی فلاح کا ذریعہ ہے۔اس حقیقت کو قرآن مجید میں کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے اور ہر جگہ ہم نے اس کی تشریح کر دی ہے۔پس جب قرآن پورے زور اور قطعیت کے ساتھ کہتا ہے کہ ''درحقیقت انسان بڑے خسارے میں ہے'' تو اس کا مطلب دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے، اور جب وہ کہتا ہے کہ اس خسارے سے صرف وہ لوگ بچے ہوئے ہیں جن کے اندر حسب ذیل چار صفات پائی جاتی ہیں، تو اس کا مطلب دونوں جہانوں میں خسارے سے بچنا اور فلاح پانا ہے۔اب ہمیں ان چار صفات کو دیکھنا چاہیے جن کے پائے جانے پر اس سورۃ کی رو سے انسان کا خسارے سے محفوظ رہنا موقوف ہے۔

ان میں پہلی صفت ایمان ہے۔یہ لفظ اگرچہ بعض مقامات پر قرآن مجید میں محض زبانی اقرار ایمان کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے لیکن اس کا اصل استعمال سچے دل سے ماننے اور یقین کرنے کے معنی ہی میں کیا گیا ہے، اور عربی زبان میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔قرآن دراصل جس ایمان کو حقیقی ایمان قرار دیتا ہے، اس کو ان آیات میں پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا (الحجرات: ۱۵)

ترجمہ : "مومن تو حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہ پڑے"۔

ان الذین قالو ربنا اللّٰہ ثم استقامو۔ (حم السجدہ: ۳۰)

ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ڈٹ گئے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُم (الانفال: ۲)

ترجمہ: مومن تو حقیقت میں وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه (البقرہ ۱۶۵)

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں"۔

فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّیٰ یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِیْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیْماً (النساء : ۶۵)

ترجمہ : پس نہیں، (اے نبی ﷺ) تمہارے ربّ کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہیں جب تک کہ اپنے باہمی اختلاف میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر تسلیم خم کرلیں۔

اب رہا سوال کہ ایمان لانے سے کن چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے، تو قرآن مجید میں پوری طرح اس بات کو بھی کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد اولاً، اللہ کو ماننا ہے۔ محض اس کے وجود کو ماننا نہیں بلکہ اسے اس حیثیت سے ماننا ہے کہ وہی ایک اللہ ہے اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہی اس کا مستحق ہے کہ انسان اس کی عبادت، بندگی اور اطاعت بجالائے۔ وہی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے والا ہے۔ بندے کو اسی سے دعا مانگنی چاہیے اور اسی پر توکل کرنا چاہیے۔ وہی حکم دینے اور منع کرنے والا ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کرے اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے رک جائے۔ وہ سب کچھ دیکھنے اور سننے والا ہے۔ اس سے انسان کا کوئی فعل تو درکنار، وہ مقصد اور نیت بھی مخفی نہیں ہے جس کے ساتھ اس نے کوئی فعل کیا ہے۔ ثانیاً، رسول کو ماننا، اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مامور کیا ہوا ہادی و رہنما ہے، اور جس چیز کی تعلیم بھی اس نے دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، برحق ہے، اور واجب التسلیم ہے۔ اسی ایمان بالرسالت میں ملائکہ، انبیاؑ اور کتب الٰہیہ پر، اور خود قرآن پر بھی ایمان لانا شامل ہے، کیونکہ یہ ان تعلیمات میں سے ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہیں۔ ثالثاً آخرت کو ماننا، اس حیثیت سے کہ انسان کی موجودہ زندگی پہلی اور آخری زندگی نہیں ہے، بلکہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ہے، اپنے ان اعمال کا جو اس نے دنیا کی اس زندگی میں کیے ہیں اللہ کو حساب دینا ہے، اور اس محاسبے میں جو لوگ نیک قرار پائیں انہیں جزا اور جو

بدقرار پائیں ان کو سزا ملنی ہے۔ یہ ایمان اخلاق اور سیرت و کردار کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دیتا ہے، جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے یہ ایمان ہی موجود نہ ہو، وہاں انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو، اس کا حال ایک بے لنگر کے جہاز کا سا ہوتا ہے، جو موجوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا۔

ایمان کے بعد دوسری صفت جو انسان کو خسارے سے بچانے کے لیے ضروری ہے، وہ صالحات (نیک کاموں) پر عمل کرنا ہے۔ صالحات کا لفظ تمام نیکیوں کا جامع ہے، جس سے نیکی اور بھلائی کی کوئی قسم چھوٹی نہیں رہ جاتی۔ لیکن قرآن کی رو سے کوئی عمل بھی اس وقت تک عمل صالح نہیں ہو سکتا جب تک اس کی جڑ میں ایمان موجود نہ ہو، اور وہ اس ہدایت کی پیروی میں نہ کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں ہر جگہ عمل صالح سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سورۃ میں بھی اس کا ذکر ایمان کے بعد ہی آیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی قرآن میں ایمان کے بغیر کسی عمل کو صالح نہیں کہا گیا ہے اور نہ عمل بلا ایمان پر کسی اجر کی امید دلائی گئی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایمان وہی معتبر اور مفید ہے جس کے صادق ہونے کا ثبوت انسان اپنے عمل سے پیش کرے۔ ورنہ ایمان بلا عمل صالح محض ایک دعویٰ ہے، جس کی تردید آدمی خود ہی کر دیتا ہے جب وہ اس دعوے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے ہٹ کر چلتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کا تعلق بیج اور درخت کا سا ہے۔ جب تک بیج زمین میں نہ ہو، کوئی درخت پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر بیج زمین میں ہو اور کوئی درخت پیدا نہ ہو رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بیج زمین میں دفن ہو کر رہ گیا۔ اسی بنا پر قرآن پاک میں جتنی بشارتیں بھی دی گئی ہیں انھی لوگوں کو دی گئی ہیں جو ایمان لا کر عمل صالح کریں، اور یہی بات اس سورہ میں بھی کہی گئی ہے کہ انسان کو خسارے سے بچانے کے لیے جو دوسری صفت ضروری ہے وہ ایمان کے بعد صالحات پر عمل کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر عمل صالح کے بغیر محض ایمان آدمی کو خسارے سے نہیں بچا سکتا۔

مذکورہ بالا دو صفتیں تو وہ ہیں جو ایک ایک فرد میں ہونی چاہئیں۔اس کے بعد یہ سورۃ دو مزید صفتیں بیان کرتی ہے جو خسارے سے بچنے کے لیے ضروری ہیں، اور وہ یہ ہیں کہ یہ ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والے لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کریں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اوّل تو ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو فرد فرد بن کر نہیں رہنا چاہیے بلکہ ان کے اجتماع سے ایک مومن و صالح معاشرہ وجود میں آنا چاہیے۔دوسرے،اس معاشرے کے ہر فرد کو اپنی یہ ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے کہ وہ معاشرے کو بگڑنے نہ دے،اس لیے اس کے تمام افراد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کریں۔

حق کا لفظ باطل کی ضد ہے،اور بالعموم یہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ایک صحیح اور سچی اور مطابق عدل و انصاف اور مطابق حقیقت بات،خواہ وہ اللہ کا حق ہو یا بندوں کا حق، یا خود اپنے نفس کا حق۔پس ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کا یہ معاشرہ ایسا بے حس نہ ہو کہ اس میں باطل سر اٹھا رہا ہو اور حق کے خلاف کام کیے جا رہے ہوں مگر لوگ خاموشی کے ساتھ اس کا تماشا دیکھتے رہیں، بلکہ اس معاشرے میں یہ روح جاری و ساری رہے کہ جب اور جہاں بھی باطل سر اٹھائے ،کلمہ حق کہنے والے اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوں،اور معاشرے کا ہر فرد صرف خود ہی حق پرستی اور راست بازی اور عدل و انصاف پر قائم رہنے اور حق داروں کے حقوق ادا کرنے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ دوسروں کو بھی اس طرز عمل کی نصیحت کرے۔یہ وہ چیز ہے جو معاشرے کو اخلاقی زوال و انحطاط سے بچانے کی ضامن ہے۔اگر یہ روح کسی معاشرے میں موجود نہ رہے تو وہ خسران سے نہیں بچ سکتا،اور اس خسران میں وہ لوگ بھی آخر کار مبتلا ہو کر رہتے ہیں جو اپنی جگہ حق پر قائم ہوں مگر اپنے معاشرے میں حق کو پامال ہوتے دیکھتے رہیں۔یہی بات ہے جو سورۃ مائدہ میں فرمائی گئی ہے کہ بنی اسرائیل پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی،اور اس لعنت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے معاشرے میں گناہوں اور زیادتیوں کا ارتکاب عام ہو رہا تھا اور لوگوں نے ایک دوسرے کو برے افعال سے

روکنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر اسی بات کو سورۃ اعراف میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے جب کھلم کھلا یوم السبت کے احکام کی خلاف ورزی کر کے مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں تو ان پر عذاب نازل کر دیا گیا اور اس عذاب سے صرف وہی لوگ بچائے گئے جو اس گناہ سے روکنے کی کوشش کرتے تھے (آیات نمبر ۱۶۳ تا ۱۶۶)۔ اور اس بات کو سورۃ انفال میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو (آیت نمبر ۲۵)۔ اسی لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو امت مسلمہ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے اور اس امت کو بہترین امت کہا گیا ہے جو یہ فریضہ انجام دے۔ (آل عمران ۱۱۰)

حق کی نصیحت کے ساتھ دوسری چیز جو اہل ایمان اور ان کے معاشرے کو خسارے سے بچانے کے لیے شرط لازم قرار دی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ اس معاشرے کے افراد ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہیں۔ یعنی حق کی پیروی اور اس کی حمایت میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، اور اس راہ میں جن تکالیف سے، جن مشقتوں سے، جن مصائب سے اور جن نقصانات اور محرومیوں سے انسان کو سابقہ پیش آتا ہے، ان کے مقابلے میں وہ ایک دوسرے کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے رہیں۔ ان کا ہر فرد دوسرے کی ہمت بندھاتا رہے کہ وہ ان حالات کو صبر کے ساتھ برداشت کرے۔

(ماخوز از "تفہیم القرآن")

درس حدیث اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

(پیر خان توحیدی)

مشہور متفق علیہ حدیث ہے انما الاعمال با لنیات یعنی انسانوں کے اعمال کا دارو مدار ان کی نیتوں پر ہوگا۔ نیت کے معنی کسی کام یا عمل کے کرنے کا ارادہ کرنا۔ آدمی جب بھی کوئی کام سر انجام دینا چاہتا ہے اس میں اچھے اور برے دونوں قسم کے اعمال شامل ہوتے ہیں۔ اگر کسی اچھے کام کی نیت کی اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تو اسے اس کی جزا ملے گی اور اگر کسی برے کام کی نیت کر کے اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اسے اس کی سزا ملے گی لیکن اللہ رب العزت اپنے بندوں کے ساتھ اتنا رحیم اور اتنا شفیق ہے کہ بندہ جب کسی نیک کام کی نیت کرتا ہے تو اسی وقت اس کے اعمال نامہ میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جب وہ اس کام کی تکمیل کر لیتا ہے تو اس کے اعمال نامہ میں دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں لیکن جب وہ کسی برائی کی نیت کرتا ہے تو اس کے اعمال نامہ میں کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا بلکہ لکھنے والے انتظار کرتے رہتے ہیں اور جب وہ شخص برائی کر گزرتا ہے تو اس کے اعمال نامہ میں ایک ہی گناہ کا اضافہ ہوتا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح ارشاد فرمائی ہے۔

ترجمہ: جو اللہ کے حضور ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہوگا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (انعام 160)

بخاری اور مسلم کی ایک اور حدیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے جس شخص نے جس چیز کی نیت کی اس کو وہی ملے گی۔ مثلاً جس نے خدا اور رسول کی طرف ہجرت کی نیت کی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کے لیے ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی، اس کی ہجرت اسی کام کے لیے ہوگی۔

مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین شخصوں کے متعلق عدالت الٰہیہ میں جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں شہید ہوا ہوگا

وہ جب حاضر عدالت ہوگا تو اللہ پہلے اسے اپنی نعمتیں جتائے گا پھر اس سے فرمائے گا، بتلا تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا، وہ عرض کرے گا۔اے اللہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور جان قربان کر دی حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے صرف اس لیے جہاد کیا تھا کہ تو بہادر مشہور ہو اور دنیا میں تیری بہادری کا چرچا ہو۔پھر اللہ کے حکم سے اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔اس کے بعد ایک عالم دین کو حاضر کیا جائے گا اس سے اللہ پوچھے گا تو نے کیا اعمال کیے وہ کہے گا میں نے تیری رضا کے لیے تیرے دین اور تیری کتاب کو پڑھا اور پڑھایا حق تعالیٰ کہے گا تو جھوٹا ہے تو نے عالم، قاری اور مولانا کہلانے کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا، پھر حکم خداوندی سے اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔اس کے بعد ایک ایسے شخص کو پیش کیا جائے گا جسے اللہ نے بہت مال و دولت دیا ہوگا۔اس سے بھی سوال کیا جائے گا کہ تو نے کیا کیا وہ عرض کرے گا خداوندا! میں نے خیر کا کوئی ایسا شعبہ نہیں چھوڑا جس میں تیری رضا جوئی کے لیے اپنا مال نہ خرچ کیا ہو،حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو مال صرف اس لیے خرچ کیا تھا کہ دنیا تجھ کو سخی کہے جس کا دنیا میں خوب چرچا ہو گیا۔پھر اس کو بھی اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات اس طرح بیان فرمائی (اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں درحقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر۔سچ ہے شیطان جس کا رفیق ہوا اسے بہت بری رفاقت میسر آئی۔(النساء 36)

اگر غور کیا جائے تو ایسے اعمال جو نیکیوں کے زمرہ میں آتے ہیں ان کو ضائع کرنے بلکہ الٹا موجب عذاب بنانے کی دو بنیادی وجوہ ہیں ایک ریا، دوسری نفاق۔ریا کی مثال اوپر حدیث میں گزر چکی ہے۔قرآن میں بھی کئی جگہ اس کا بیان ہے مثلاً سورہ بقرہ میں آیت نمبر 264، 265 میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے پتھر کی ایک چٹان ہو جس پر کچھ مٹی آ گئی ہو پھر اس پر زور کی بارش پڑے جو اس کو بالکل صاف کر دے تو ایسے ریاکار اپنی کمائی کا کچھ پھل بھی نہ پا سکیں گے اور ایسے لوگوں کی مثال جو محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے مال خرچ کرتے ہیں اس پھولنے پھلنے والے باغ کی سی ہے جو سطح مرتفع پر واقع ہو اور جب زور کی بارش پڑے تو دوگنا چوگنا پھل لائے اور اگر بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی سی

پھوار بھی اس کے لیے کافی ہو جائے۔

نفاق کی وجہ سے نیکیوں جیسے اعمال کی عدم قبولیت کی مثالیں بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ دی گئی ہیں۔ منافقین کی نمازوں کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ النساء میں یوں ارشاد فرمایا یہ منافقین اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کے لیے اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں نہ پورے اس طرف اور نہ پورے اس طرف جسے اللہ نے پھٹکار دیا ہوا سے تم کوئی رہنمائی نہیں دے سکتے (النساء 143-142) یہ آیات مدینے کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو اپنے وقتی دنیاوی فوائد کے لیے زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت یہ بات ناقابل تصور تھی کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو اور نماز کے لیے مسجد میں حاضر نہ ہو اس لیے یہ منافقین بادل ناخواستہ اپنے اسلام کا ثبوت دینے کے لیے مسجدوں میں آتے تھے لیکن ان کے دلوں کا حال اللہ خوب جانتا تھا۔ اسی طرح سورۃ المنافقون آیت نمبر ا میں اللہ تعالیٰ منافقوں کا حال اس طرح بیان فرماتا ہے۔

اے نبی ﷺ جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں ہاں اللہ خوب جانتا ہے کہ تم واقعی اس کے رسول ہو مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں یعنی جو بات وہ زبان سے کہتے ہیں وہ ہے تو بجا لیکن ان کا اپنا عقیدہ وہ نہیں جسے وہ زبان سے ظاہر کرتے ہیں یعنی ان کی نیت نہیں کہ آپ کو رسول مانیں۔ نیت کی خرابی کی وجہ سے ان کے ایمان کی کوئی وقعت نہیں ایسے منافقین کا قرآن میں اور بھی بہت جگہوں میں ذکر آیا ہے جیسے مسجد ضرار کی تعمیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ (دعوت حق) کو نقصان پہنچایا جائے اور خدا کی بندگی کرنے کی بجائے کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں۔ اس طرح غزوہ تبوک کی تیاری کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے اعلان عام کر دیا کہ تمام قابل جنگ مرد اس غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں تو مخلص مومنین نے فوراً جنگ کی تیاری شروع کر دی اور سفر کے لیے اپنے سامان، سواری اور زادِ راہ کا انتظام کرنا شروع کر دیا

لیکن منافقین نے پہلے ہی سے یہ نیت کر لی تھی کہ وہ اس مشکل سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ نہیں ہو نگے اور آپ ﷺ سے جھوٹے بہانے بنا کر نہ جانے کی اجازت طلب کریں گے۔

آخر میں ایک سبق آموز اور دلچسپ واقعہ قارئین کی نظر کرتا ہوں۔ کچھ عرصہ قبل کی بات ہے کہ میرے گھر کے راستہ میں ایک مسجد زیر تعمیر تھی۔ مسجد کے باہر سڑک پر ایک مولوی صاحب نے ایک چارپائی بچھا کر اس کے اوپر ایک کپڑا رکھا تھا اور خود کرسی پر بیٹھ کر لاؤڈ سپیکر کے ذریعے مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ کی اپیل کر رہا تھا۔ آنے جانے والے لوگ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کچھ رقم چارپائی پر ڈالتے جاتے۔ مولوی صاحب ان کا نام پوچھ کر اعلان کرتے کہ فلاں شخص نے مسجد کی تعمیر میں اتنی رقم دی ساتھ ساتھ دعائیں بھی دیتے۔ ایک شخص کا ادھر سے گزر ہوا اس نے اچھی خاصی رقم مولوی کو تھما دی۔ مولوی صاحب نے نام پوچھنے کی کوشش کی، اس نے صاف انکار کر دیا اور مولوی صاحب کو بتا بھی دیا کہ میں یہ رقم محض اللہ کی رضا کے لیے مسجد کی تعمیر میں دیتا ہوں میرا نام یا میری رقم کے اعلان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا کہ مولوی صاحب نے کچھ لوگوں کے نام لینے شروع کر دیے کہ فلاں نے اتنی رقم دی اور فلاں نے اتنی۔ اسی دوران مولوی صاحب نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ ایک آدمی جس نے اپنا نام بتانے سے انکار کیا تھا مبلغ چالیس ہزار روپے مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ دیا ہے۔ اس شخص نے جب یہ اعلان سنا تو واپس پلٹ آیا اور مولوی صاحب سے اپنی رقم واپس لینے کا مطالبہ کر دیا اور رقم واپس لیکر چل دیا۔ نیتوں کا حال صرف اللہ ہی کو معلوم ہے اس لیے جب کبھی کسی کام کی نیت کریں تو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال دل میں ضرور رکھیں۔

۱) ہر نیک کام یا عبادت کرنے سے پہلے مومن کو خلوص دل سے یہ نیت کرنی چاہیے کہ یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہے اور اس کے سوا کوئی اور مقصد اسکا نہیں۔

۲) چونکہ نیتوں کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے اس لیے کسی کی نیت پر شک کرنا اور یہ کہنا کہ وہ ریا کار ہے یا اس نیکی سے اس کا مقصد کوئی دنیاوی فائدہ ہے گناہ ہے۔

۳) مومن کو اپنی نیت کا مسلسل جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ اس میں کہیں کوئی ملاوٹ تو نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو نیتوں کی درستگی کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

اسلامی پردہ

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

پردہ بھی ہماری معاشرت کا ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ پچھلی کئی صدیوں سے جو پردہ ممالک اسلامی خصوصاً ہندوستان میں رائج رہا ہے، اس کی وجہ سے ہماری عورتیں یعنی قوم کی تقریباً نصف تعداد اپاہج اور بیکار ہو کر رہ گئی ہے۔ مسلمانوں نے جس طرح قرآن کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے، اسی طرح پردے کے متعلق بھی وہ قرآنی احکام پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ اس لحاظ سے مسلمانوں میں کئی طبقات ہیں، ایک تو وہ لوگ جو معمولی قسم کے کام اور محنت مزدوری کرتے ہیں اور جن کو ہندوؤں کی تقلید میں نیچ ذات کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں میں پردے کا کوئی تخیل موجود نہیں ہے۔ دوسرے وہ دقیانوسی لوگ جن کا عقیدہ ہے کہ اگر عورت کی آواز بھی گھر کی چاردیواری سے باہر سن لی جائے یا اتفاقاً کوئی اس کے چہرے کی جھلک دیکھ لے تو اس کی طلاق ہو جاتی ہے۔ تیسرے وہ بزعم خود ترقی یافتہ لوگ جو عورت کے لئے کسی قسم کے پردے یا پابندی کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، یہ مغربیت زدہ لوگ ہیں۔ ان کے نزدیک اس میں مطلق کوئی حرج نہیں کہ عورتیں خوب بناؤ سنگھار کر کے لپ سٹک اور پاؤڈر لگا کر نیم عریاں لباس میں جہاں چاہیں جائیں۔ کلبوں اور تھیٹروں میں ناچیں کودیں گائیں بجائیں اور بے تکلفی بلکہ بے حیائی سے نامحرموں کے ساتھ تخلیہ میں ملاقاتیں کریں۔ یہ تینوں طبقات غلط رو اور قرآن کے باغی ہیں۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتوں کو ضرورتاً گھر سے باہر نکلنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ البتہ یہ حکم ضرور ہے کہ جب وہ گھر سے باہر جائیں تو ایسا لباس پہنے ہوئے ہوں جس سے تمام اعضاء ڈھکے رہیں اور ان کے بناؤ سنگار کی چیزیں نظر نہ آئیں۔ اس میں بھی وہ حصے جو خودبخود کھلے رہتے ہیں، مثلاً چہرہ اور گٹوں تک ہاتھ وغیرہ تو ان کو ڈھکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بھی حکم ہے کہ جب وہ نامحرموں سے بات چیت کریں تو نگاہیں نیچی رکھیں (یہ حکم مردوں کو بھی

ہے)اور ہرگز اس قدر نرمی اور ایسے لہجہ میں بات نہ کریں جس سے کسی کے دل میں بیہودہ توقعات پیدا ہوں ۔ یہ بھی حکم ہے کہ عورتیں بے وجہ گھر سے نکل کر ماری ماری نہ پھریں جیسا کہ بہت سی عورتیں کرتی ہیں کہ مرد کام پر گئے اور انہوں نے برقعہ ڈالا اور باہر کی راہ لی۔ گھروں میں بند رکھنے کا حکم صرف سزاءً ان عورتوں کے لئے ہے جن سے بے حیائی کا کوئی کام سرزد ہوا ہو اور چار مسلمانوں نے ان کے خلاف گواہی دی ہو۔

الغرض یہ ہے اسلامی پردہ، اس میں نہ تو اس قدر سختی ہے کہ عورتوں کو مرغیوں کی طرح ڈربے میں بند رکھا جائے ، نہ اتنی آزادی ہے کہ ہرنیوں کی طرح چوکڑیاں بھرنے کیلئے بے مہار چھوڑ دیا جائے ۔عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اسلام جیسے پرحکمت و دانش مذہب میں ایسا کوئی حکم نہیں مل سکتا جس سے اس کے ماننے والوں کی آدھی آبادی مفلوج اور بیکار ہو کر رہ جائے ۔لیکن باوجود ان تمام باتوں کے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ پردے کے یہ احکام اسی وقت قابل عمل اور مفید ہو سکتے ہیں جب مرد بھی قرآنی احکام کے پابند اور اخلاق اسلامی سے مزین ہوں ۔چونکہ حالت اس کے خلاف ہے اور مسلمان مردوں کی تعداد کثیر اخلاقی معیار سے اس قدر گری ہوئی ہے کہ سفر تو کیا حضر میں بھی عورتوں کی عصمت وعزت اور جان و مال بدمعاشوں کے ہاتھوں سے محفوظ نہیں، جیسا کہ روزانہ دیکھنے میں آتا ہے ۔اس لئے مناسب یہ ہے کہ ابھی کچھ عرصہ تک جہاں ذرا بھی کچھ خطرہ ہو عورتیں اکیلی ہرگز نہ جائیں ۔مردوں کا فرض ہے کہ اپنی عورتوں کو پردہ دار لباس میں اپنے ساتھ باہر لے جائیں اور ہر اس چیز سے روشناس کرائیں جس سے ان کے عقل و تجربہ میں اضافہ ہو، خود اعتمادی اور قوت عمل پیدا ہو ۔وہ بدمعاش مردوں کا سر توڑنا سیکھیں اور اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کر سکیں ۔اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ عورتیں دنیا کی تمام موجودہ تحریکات اور حالات سے باخبر رہیں اور اپنے بچوں کو حالات زمانہ کا مقابلہ کرنے کے قابل بنائیں اور یہ بات اچھی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے عورتوں کو تعلیم ضرور دلوائی جائے ۔

خواب کے ذریعے سے پردہ کی تاکید (مرسلہ: ماجد محمود از مرکز تعمیر ملت)

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے اپنے محبوب ترین بندوں یعنی انبیاءؑ کے ذریعے ہدایت کا راستہ واضح کر دیا ہے اور پھر جزا و سزا کا نظام بھی بنا رکھا ہے، جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کے فرمانبردار بندے جنہوں نے اس دنیا کی زندگی اپنے خالق و مالک کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق گزاری، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اللہ کے انعامات و اکرام کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ جبکہ اس کے برعکس اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کیلئے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ انہی احکامات میں سے ایک حکم پردہ بھی ہے جو اسلامی معاشرت کا شعار اور عکاس و مظہر ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ ہماری پیر بہن کا یہ خواب معاشرے میں پردے کی اہمیت کو اجاگر کرے گا، جس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی طرف سے لاپرواہی کرنے والوں کیلئے بڑا سبق ہے۔ ان کا خواب انہی کی زبانی

محترم بابا جان! السلام علیکم! میں خیریت سے ہوں اور آپ کی اور آپ کے اہل خانہ کی صحت اور لمبی زندگی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں۔ محترم باباجی! میں آپ کو اپنا ایک خواب بتانا چاہتی ہوں جو سر ننگا رکھنے والی اور باریک لباس پہننے والی عورتوں کے عذاب سے متعلق ہے۔ میں چاہتی ہوں اسے ماہنامہ فلاح آدمیت میں شائع کیا جائے تاکہ میری پیر بہنیں جو اس سلسلے سے منسلک ہیں اور باقی تمام مسلمان خواتین تک میری درخواست پہنچ جائے۔

"میں نے زندگی میں کبھی باریک لباس نہیں پہنا کیوں کہ باریک لباس پہننے والی عورتوں کو ننگا کہا گیا ہے اور سر کے بالوں کو ننگا رکھنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ جب تک عورت کے ننگے سر پر غیر مردوں کی نظر پڑتی رہتی ہے فرشتے اس پر لعنت برساتے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی مجھے یہ خواب دکھانا اللہ کی کیا حکمت رکھتا ہے؟ میں نہیں جانتی۔ اس کے بعد میں نے سکارف لینا شروع کر دیا ہے۔ کہیں خاندان میں شادی منگنی یا کوئی اور رسم ہو میں سر کو ننگا نہیں رکھتی میں بڑی

عبادت گزار نہیں ہوں پانچ نمازیں پوری کرنے کی کوشش میں رہتی ،کبھی کوئی رہ بھی جاتی ہے جب وقت ملتا ہے قرآن پاک کی تلاوت کرلی، تسبیح پر مختلف اذکار کرلیے کبھی ذکر کرلیا کبھی نہیں، پاس انفاس کبھی باقاعدہ ہوجاتا ہے کبھی چھوٹ جاتا ہے۔

ایک دن عشاء کی نماز پڑھ کر سوگئی ذکر بھی نہیں کیا تھا خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھے اپنے ساتھ لے کر پھر رہا ہے جیسے کسی کو سیر کرواتے ہیں ایک قبرستان میں ہوں میرے داہنے طرف قبریں ہیں، سیمنٹ کی بنی ہوئی سیدھی قطاروں میں جیسے مردے کو دفنایا جاتا ہے سر پرانے قبلے کی طرف اور پاؤں والی طرف میں چل رہی ہوں میرے ساتھ کوئی چلتا جارہا ہے مجھے صرف ساتھ چلنے والے کے قدموں کی آہٹ اور بولنے کی آواز آرہی ہے لیکن کوئی شخص نظر نہیں آرہا۔اللہ جانتا ہے کہ وہ کون تھے ۔مجھ سے کہہ رہے ہیں یہ بے پردہ اور باریک لباس پہننے والی عورتوں پر عذاب ہے ۔ساری قبروں میں کچھ ابل رہا ہے تیز گرم بھاپ اُڑ رہی ہے نوجوان خوبصورت عورتیں بالکل ننگی ہیں۔کوئی انہیں پکڑ کر قبر میں رکھ دیتا ہے ۔بڑی تیز گڑ گڑاہٹ سے قبر ابل رہی ہے عورتیں بڑی دردناک چیخ و پکار کررہی ہیں کچھ دیر بعد ان کو قبر سے نکالا گیا تو پھر گوشت پوست کی بن گئیں ان کے جسموں سے گرم گرم بھاپ اڑ رہی ہے اور فریاد کررہی ہیں میں نے ایک عورت کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ پھیرا اس کی جلد گرمی سے لال سرخ تھی اور گرم گرم بھاپ اُڑ رہی تھی ۔یہ عمل بار بار دھرایا جارہا تھا۔ میں خوف سے حیران و پریشان ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور زبان سے کچھ نہیں نکل رہا تھا،عورتوں کی چیخ و پکار میرا دل ہلا رہی تھی۔ میں اپنے ارد گرد بولنے والے شخص کو تلاش کرتی ہوں لیکن وہ مجھے نظر نہیں آرہا اس کے قدموں کی آہٹ میرے ساتھ چل رہی ہے پھر میری آنکھ کھل گئی ۔فجر کا وقت گزر گیا تھا۔نماز بھی رہ گئی میں خوف سے لرز گئی اور دل کی دھڑکن بڑی تیز تھی، بستر پر ہی بیٹھے بیٹھے رورو کر اللہ سے معافی مانگتی یا اللہ کبھی مجھے ایسا خواب نہ دکھانا میں تیری بڑی کمزور اور نالائق بندی ہوں تاب نہیں لاسکتی، میں نے باریک لباس کبھی نہیں پہنا لیکن شادی بیاہ کے موقع پر دوسروں کی اندھی تقلید میں سرننگا رکھتی تھی ۔اب کبھی یہ گناہ سرزد نہیں ہوگا۔

بس ایک بار معاف کر دے۔ اس خواب کی وحشت سے میں چھ ماہ تقریباً بیمار رہی ہر وقت روتی رہتی اور اللہ سے معافی اور بخشش مانگتی رہتی۔ اس واقعہ کے بعد میں نے اپنے دیور جیٹھ ان کے بیٹے اور تمام نامحرموں کے سامنے کبھی اپنا سر ننگا نہیں کیا پورے بازو کی قمیض ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتی ہوں۔ میری گزارش ہے سلسلے کے تمام مرید اپنے گھروں میں اپنی ماؤں بہنوں بیویوں اور بیٹیوں کو پردے کی تلقین کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انعام یافتہ اور مقربین لوگوں کے راستے پر چلائے۔ آمین

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کے ارشادات عالیہ

شیطان کا کردار: اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافتِ ارضی عطا کی تو اسے مطلوبہ صلاحیتوں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ نفس بھی عطا فرمایا۔ یہ بھی ایک اہم صلاحیت ہے جس سے خواہشات جنم لیتی ہیں۔ نفس کی وجہ سے ہی عالم امر سے آئی ہوئی روح کو مادی دنیا سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس کی تسخیر و تعمیر کے سفر کا آغاز ہوا۔ لیکن انسان کی اصل منزل چونکہ حریم کبریاء ہے اسلئے اگر وہ نفس کے دھوکے میں آکر دنیا کی رنگینیوں میں پھنس گیا اور اللہ اور آخرت کو فراموش کر بیٹھا تو اسی کا نام کفر اور انجام نارِ جہنم ہے۔ شیطان کا باطنی تعلق نفس انسانی کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اسی کے ذریعے انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور اپنے حیلوں حربوں سے اللہ کی بندگی کے راستے سے ہٹنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس نے روزِ اول ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ" میں زمین میں لوگوں کیلئے گناہوں کو آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو بہکاؤں گا"۔ (حجر۔39 تا 40) اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے چونکہ اس کی محبت اور بندگی میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور خواہشات کے پیچھے دوڑنے کی بجائے اپنے نفس کو لگام دے کر رکھتے اور اپنے پروردگار کی رضا پر راضی رہتے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلتے رہتے ہیں۔

(اقتباس از مقصود حیات)

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ سے پوچھا گیا کہ امام مہدی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

بابا جانؒ نے فرمایا کہ کئی علماء اور مولانا مودودیؒ کا بھی یہ خیال ہے کہ امام مہدی کوئی نہیں آنا۔ یہ باتیں ویسے ہی مسلمانوں نے بنالی ہیں کہ یہ ہوگا اور وہ ہوگا، مگر امام مہدی نے کوئی نہیں آنا۔ مرزا غلام احمد کا کہنا تھا کہ میں ہی مہدی ہوں۔ وہ کہتا تھا کہ میں ہی مسیح ہوں اور میں ہی مہدی ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب ویسے ہی جھوٹی باتیں بنی ہوئی ہیں۔ اتنا بڑا کام تھا، اگر ایسا کچھ ہوتا تو اس کا ذکر قرآن پاک میں کہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے بھی زندہ اٹھائے جانے کے حوالے سے بہت سی باتیں بنی ہوئی ہیں۔

میں نے بابا جیؒ (جناب انصاری صاحبؒ) سے پوچھا کہ امام مہدی کے بارے میں کوئی یہ کہہ رہا ہے، کوئی وہ کہہ رہا ہے، مختلف آراء گردش کر رہی ہیں۔ کیا ظہور مہدی ہوگا کہ نہیں؟ قبلہ انصاریؒ نے فرمایا کہ ضرور ہوگا۔ ضرور تشریف لے آئیں گے۔ بابا جیؒ نے ایک نئی بات بتائی، وہ ہم نے کہیں نہیں پڑھی۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ ظہور مہدی اس طرح ہوگا کہ وہ حج پر آئے ہوئے ہوں گے۔ حج کا موقع ہوگا۔ مسلمان بڑے خراب اور ابتر حالات سے گزر رہے ہوں گے اور امام مہدی حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ آئے ہوئے ہوں گے۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ میں امام مہدی ہوں۔ اولیائے کرام جو وہاں حج ادا کر رہے ہوں گے ان کو کشف ہوگا کہ مہدی تشریف لا چکے ہیں وہ بھی حج کے موقع پر آئے ہوئے ہیں۔ یہ اولیاء کرام کو دکھا دیا جائے گا کہ یہ مہدی ہیں۔ وہ ان کو ڈھونڈ لیں گے۔ پکڑ لیں گے۔ اولیاء کہیں گے کہ آپ مہدی ہیں اور یہ کہیں گے کہ

میں مہدی نہیں ہوں۔ وہ نہیں مانیں گے۔ اولیاء جن کو کشف ہوا ہو گا ان کو تو پکا یقین ہو گا کہ یہی بندہ مہدی ہے، یہ اولیاء انہیں روحانی توجہ دیں گے۔ ان پر جو پردہ پڑا ہو گا وہ پھٹ جائے گا، جل جائے گا۔ وہ کہہ دیں گے کہ ہاں میں ہی مہدی ہوں۔ پھر وہ بیعت لیں گے اور وہاں سے احیاء اسلام کا سلسلہ شروع ہو گا۔ اولیاء کو بھی وہاں دیدار ہو گا اور یہ صورتحال ہو گی۔

ایسا نشاۃ ثانیہ کا دور تو آنا ہی ہے جس طرح آج انسانیت ٹھوکریں کھا کھا کے چل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ ہم منوائیں گے تمہیں، کیسے نہیں مانو گے۔ تمہارے اندر اور باہر تمہیں دکھائیں گے کہ تم پکار اٹھو گے کہ یہ حق ہے۔ امریکہ، برطانیہ، اور جرمنی میں، بلکہ پوری دنیا میں اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے اور ادھر کوئی قوم بیدار ہو جائے شاید۔

اشفاق احمد مرحوم نے لکھا ہے کہ کینیڈا میں ٹیلی ویژن پر ایک Announcer تھا، جو مسلمان ہو گیا اور میرا جاننے والا تھا میں نے سوچا کہ اس کو مل آؤں کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ اشفاق احمد اس کے پاس چلے گئے اور پوچھا کہ تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ اشفاق احمد! بس یہی ایک دین (اسلام) ہے جو پوری دنیا کے مسائل کا حل اپنے پاس رکھتا ہے۔ یہی ایک تعلیم ہے جو پوری دنیا کو اکٹھا کر سکتی ہے۔ اسکی بنیاد نہ تو قومیت پر ہے، نہ رنگ پر، نہ نسل پر۔ اس کی بنیاد Principal پر ہے۔ پرنسپل پر ہی جو تعلیم ہو گی، وہی پوری دنیا کو اپنی آغوش میں لے سکتی ہے اور وہ اسلام ہی ہے۔ اسلام ہی اسے پورا کر سکتا ہے۔ دیکھنا ہم کیا کام کرتے ہیں، دنیا میں انقلاب آ جائے گا۔ اس نے کہا کہ اگر پانچ چھ ہزار بندہ مسلمان ہو جائے تو تم دیکھنا کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ اشفاق احمد کہنے لگے کہ تم پانچ چھ ہزار کی بات کرتے ہو، ہم مسلمان تو اربوں میں ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں تمہاری بات نہیں کر رہا۔ تم یا تو رو سکتے ہو یا لڈیاں مار سکتے ہو، تم کام نہیں کرتے۔ حادثہ ہو گیا تو رونے لگتے ہو کہ یہ ہو گیا، فلسطین میں یہ ہو گیا اور کرکٹ کے میچ دیکھتے ہو تو ناچتے ہو۔ میں تمہاری بات نہیں کر رہا۔ میں Brown hair والوں کی بات کر رہا ہوں۔ اگر پانچ چھ ہزار لوگ مسلمان ہو گئے تو دیکھنا کہ تحریک کیسے چلتی ہے۔ اشفاق احمد کہتے ہیں کہ ہمارا کیا

بنے گا؟ اس نے کہا کہ بینڈ کے پیچھے والوں کی طرح تم بھی ہمارے ساتھ آ جانا۔

یورپ وغیرہ میں بہت لوگ اسلام کی تعلیم سے متاثر ہو کر مسلمان ہو رہے ہیں۔ایک کتاب جس کا عنوان ہے''ھمیں خدا کیونکر ملا ''اس میں ستر ایسی عورتوں کے احوال ہیں جو Convert ہوئیں،ان کی باتیں ایمان افروز ہیں۔جواتنی تیزی سے Convert ہو رہے ہیں وہ اپنے مذہب سے مایوس ہو چکے ہیں۔انہیں معلوم ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ایک کتاب 'بائیبل، قرآن، اور سائنس' ہے جس میں لکھا ہے کہ بائیبل خدا کا کلام نہیں ہے۔ وہ ایک ہی بات سے شروع کرتے ہیں کہ جس میں غلطی ہے،وہ اللہ کا کلام نہیں ہوسکتا۔ایک ہی پوائنٹ پر سب بات چلتی ہے کہ جسے سائنس غلط ثابت کر دے وہ اللہ کا کلام نہیں ہوسکتا۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بائیبل میں سینکڑوں غلطیاں ہیں جو سائنسی طور پر ثابت ہوچکی ہیں، کہ خدا کا کلام نہیں ہے۔قرآن خدا کا کلام ہے جس میں کسی بھی چیز کو سائنس غلط ثابت نہیں کرسکی۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔کتاب کا اردو میں اب ترجمہ ہے یہ عیسائی نے لکھی۔اس نے کہا کہ میں عیسائی ہو کر لکھ رہا ہوں اگر مسلمان لکھے تو اور بات ہے مگر میں عیسائی ہوتے ہوئے یہ لکھ رہا ہوں کہ یہ سچ ہے۔

بائیبل میں ویسے راوی ہیں جو ستر سے ایک سو سال بعد حافظے کی مدد سے ترتیب دی گئی۔ جیسا حادیث مبارکہ کو مدون کیا گیا۔بائیبل میں ایسے ہی Statements ہیں کہ ہم وہاں گئے۔ وہ خدا کا کلام نہیں ہے۔اس میں ساری بیان کردہ باتیں ہیں جو مختلف لوگوں سے ہوتی ہوئی آئی ہیں۔ایک بائیبل بڑی مشہور تھی جو برناباس کی تھی۔مولانا مودودی صاحبؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس کا بڑا ذکر کیا ہے۔یہ بائیبل آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کی نیشنل لائبریری میں پڑی ہے۔ پاکستان آرمی کے ایک افسر کرنل اسد تھے جنہوں نے کہیں سے یہ بائیبل لا کر پاکستان میں بھی چھاپ دی۔اس میں بھی بڑی زبردست باتیں ہیں۔ایسے واقعات بھی ہیں جو قرآن پاک میں ہیں۔ حضورﷺ کا نام 'محمد' کئی مرتبہ آیا ہے۔حضرت ابراہیمؑ کا مکالمہ اپنے باپ کے ساتھ

بالکل ایسے ہی ہے جیسے قرآن پاک میں لکھا ہے۔ یہ برناباس کی بائیبل تھی ۔ وہ لوگ جواب دوسرے مذاہب سے اسلام میں آ رہے ہیں وہ مزید دعوتی کام بھی کر رہے ہیں ۔ یہ اسلام کی دعوت وتبلیغ کر رہے ہیں ۔امریکہ میں سرمایہ داری نظام کے خلاف تحریک چل رہی ہے، وہ لوگ اس نظام کو Condemn کر رہے ہیں ۔ آخر ٹھوکریں کھا کھا کر انسان کدھر جائیں گے؟ اس اسلام کی طرف بھی آئیں گے کہ چلو اسے دیکھ لیں۔

علامہ اقبالؒ نے شیطان کی مجلس شوریٰ لکھی ہے، بانگ درا میں یا ضرب کلیم میں شاید۔ شیطان نے کہا کہ یہ تو بڑا انقلاب آ گیا کہ یہ لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں،غلاموں نے بادشاہوں کے تخت جلا دیے ہیں، یہ تو بڑا فساد ہو گیا۔ بڑے شیطان نے جوان کا چیئر مین تھا اس نے کہا کہ میں ان کا نہیں کہتا کہ یہ کچھ ہیں ۔یہ دو چار دن کا شور شرابہ ہے۔ مجھے اس اُمت سے ڈر ہے جو ابھی سوئی پڑی ہے ۔اس میں اب بھی لوگ ہیں جو راتوں کو اُٹھ پڑتے ہیں اور چپکے سے نمازیں پڑھتے ہیں، ان میں اب بھی وہ چنگاری سوئی پڑی ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ نہ اُٹھ جائیں اور زمانے کا تقاضا ہے کہ یہ کہیں شرع محمد ﷺ پر آ نہ جائیں کہ اس کو بھی Try کریں اب۔ اس نے کہا کہ مجھے اور کسی سے خطرہ نہیں بلکہ ان سے خطرہ ہے۔

؎ مست رکھو فکرِ صبح گاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

مسلمان اللہ ھو کرتا رہے، ضربیں مارتا رہے مگر دوسری طرف نہ آئے۔ انہیں میں مسلمانوں کو دبا کے رکھو، ان میں کہیں شعلہ نہ پیدا ہو جائے ۔ یہ دنیا جواب ہر طرف سے تنگ آ گئی ہے، اس پر کہیں شرع محمد ﷺ آشکارا نہ ہو جائے۔

باباجانؒ کے پاس موجود بھائیوں نے کہا کہ پوری دنیا میں سارے لوگ مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ۔باباجانؒ نے فرمایا کہ اچھا ہے پڑے رہیں ۔موجودہ شیخ سلسلہ جناب محمد یعقوب صاحب توحیدی نے بھی کہا کہ باقی زمانہ بھی ہے اور یہ شیطان بھی سارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ باباجانؒ نے محفل کو ذرا مزاح کا رنگ دیا۔ فرمانے لگے کہ

ایک انگریز شاعر اور شیکسپیئر بیٹھے ہوئے تھے۔ شیکسپیئر کے ڈرامہ کے بعد پورے ہال نے تالیاں بجائیں مگر شاعر نے شیکسپیئر سے کہا کہ ڈرامہ اچھا نہیں تھا۔ شیکسپیئر نے کہا کہ میں بھی Agree کرتا ہوں۔ مگر سارا ہال تالیاں بجا رہا ہے کہ ڈرامہ اچھا ہے۔ یہاں تیری میری بھلا کون سنتا ہے۔

دنیا جتنی زیادہ ان مسلمانوں کے خلاف اُٹھی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان میں کوئی چیز ہے کہ آخر سب ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ایک بندے کا ہی مخالفت کر دینا کافی ہوتا ہے۔ ساری دنیا ان مسلمانوں کے خلاف ہے آخر کوئی بات تو ضرور ہے۔ شیطان نے اپنی مجلس شوریٰ میں یہی کہا کہ اس سے مجھے خطرہ ہے۔ یہ کہیں Uncover نہ ہو جائے۔ یہ کمیونسٹ اور دوسرے یہ سب چند دن کا میلہ ہے، یہ سب چلے گئے، سو گئے۔ علامہؒ کی اپنی سوچ تھی کہ یہ کمیونسٹ وغیرہ کے نظام نہیں رہ سکتے۔ جو بات امام مہدی کی ہے، انہوں نے آجانا ہے۔ اب یہ تفصیل بھی لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آئیں گے اور ساری دنیا کو اکٹھا کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک اکٹھ ہوگا جس میں امام مہدی انسانیت کی Base پر سب کو اکٹھا کریں گے۔ جیسے پہلے جمعیت الاقوام بنی تھی۔ علامہؒ نے لکھا ہے کہ

خاکِ مکہ نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام   جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

جب غیر مسلم اقوام نے جمعیتِ اقوام بنائی تو خاکِ مکہ نے انہیں یہ پیغام دیا کہ جمعیتِ اقوام نہیں بلکہ جمعیتِ آدم بناؤ۔ آدمؑ کے نام پر سب کو اکٹھا کرو۔ جمعیتِ اقوام بنائی تو لڑائی کی بنیاد تو پہلے ہی رکھ دی ہے کہ تم اور قوم ہو، ہم اور قوم ہیں۔ لڑائی کی بنیاد ہی جمعیتِ اقوام ہے اس لئے جمعیت اقوام نہیں بلکہ جمعیت آدم بناؤ۔ اس پر ساری انسانیت اکٹھی ہو گی۔ صرف انسان کے نام پر۔ علامہؒ نے یہ بھی کہا کہ

موجودہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے   جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

خدا کو چھوڑ کر جس کی پرستش ہو رہی ہے وہ وطن ہے۔قومیت اور وطن سب سے بڑا بت ہے،جس کی خاطر سب ظلم ہو رہے ہیں۔قوموں کو کاٹا جارہا ہے، مارا جارہا ہے لوگوں کو۔قومیت کی Base ہی یہ ہے کہ دوسروں کو لوٹو اور اپنی سوچو۔سارے علم کا خلاصہ یہی ہے۔علامہ اقبالؒ نے کہا کہ سب سے بڑا بت یہی ہے۔اسی نے انسانیت کو تقسیم کیا ہے،اسی نے لڑایا ہے۔انہوں نے عربوں کی جمعیت کو توڑ کر علیحدہ کیا۔ترکی کی خلافت کو توڑا، بغاوت کرائی، اسے ختم کیا۔اس کی بنیاد ہی ایسی ہے۔پہلے مذہب کو مارو تب یہ Decorate ہوتا ہے۔اس کا کفن اتار کے اس کا سوٹ بنتا ہے۔علامہ نے اسی پر کہا کہ جمعیت اقوام بنا رہے ہو، جمعیت اقوام یا جمعیت آدم؟ جمعیت آدم کی بنیاد پر بات کرو کہ ہر انسان برابر ہے۔اس کو قوموں میں تقسیم کرو گے تو یہ لڑیں گے۔اس کی بنیاد ہی تم جمعیت اقوام پر کر رہے ہو۔علامہ تو کہتے رہے مگر ان کی سنی نہیں کسی نے۔Time ہے وہ خود اسے لے آئے گا۔اب یہ تحریکیں جو اُٹھ رہی ہیں،ہمیں تو پتا بھی نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ان کی تحریک کیا ہے؟ کن کے خلاف ہے؟

بابا جان محمد یعقوب صاحب کہنے لگے کہ وہاں بھی غریب،غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔بابا جانؒ نے فرمایا کہ بات تو یہی ہے کہ وہ لوگ بھی اب اس کو محسوس کر رہے ہیں، یہ نظام ہی ایسا ہے۔آپ کے پاس دولت ہے تو آپ بیٹھے رہیں، پیسہ بنک میں ڈال دیں، آپ کی دولت بڑھتی رہے گی۔وہ دولت کہاں سے آرہی ہے؟یہ دوسروں کی جیبوں سے آرہی ہے۔آپ کا پیسہ سود میں آرہا ہے۔بنک سے جتنا مرضی پیسہ نکال لیں، جتنا مرضی خرچ کرلیں،مگر وہاں مزید پیسہ جمع ہو جائے گا۔پیسہ ختم ہونے کو نہیں آتا بلکہ اور بڑھ رہا ہے۔سودی نظام ہوگا تو اس میں ایسے ہی ہوگا۔زکوٰۃ والا سسٹم ہے تو یہاں صورتحال مختلف ہے۔آپ کے پاس کروڑوں روپے ہیں۔آپ ڈھائی فیصد دیتے ہیں۔چالیس سال میں آپ کی ساری دولت ایک مرتبہ حکومت کو چلی جاتی ہے۔ ہر سال ڈھائی فیصد گئی تو چالیس سال میں سو فیصد چلی گئی۔اب نئی دولت Create ہوگی تو آپ کے پاس آئے گی ورنہ چالیس سال میں آپ نے اپنا سارا سرمایہ

سالانہ ڈھائی فیصد کے حساب سے حکومت کو دے دیا۔اب یہاں دیکھیں تو اُلٹا نظام ہے کہ پیسہ کمایا بھی حق ہو اور وہ بھی واپس چلا جائے۔

اللہ تعالیٰ خود اسباب پیدا کر دیتا ہے جب کچھ کرنا چاہتا ہے۔ روس نے کیا کیا تھا؟ Big power تھی تو دنیا کو اس سے کیا ہوا ہے۔اتنی بڑی، اس نے جنگ تو نہیں لڑی۔ افغانستان میں آیا اور چند پٹھانوں نے اسے ایسا کیا کہ اس کے اپنے علاقے آزاد ہو گئے۔ امریکہ والے بھی ڈر رہے ہیں کہ ہمارا یہی حال ہوگا۔میرا بیٹا (بریگیڈیئر حامد محمود ڈار) ایک کورس پر گیا۔ویسے میں نے اس سے کبھی خاص پوچھا نہیں،عموماً جنرل رینک کے افسر ایسے کورس پر جاتے ہیں۔وہاں میٹنگ ہوئی۔امریکی بھی آتے رہتے ہیں۔وہاں سوال جواب ہوئے تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کا زوال آنا ہے۔کوئی قوم مستقل تو نہیں رہی۔امریکن بھی ختم ہو جائیں گے۔اس نے امریکی افسر سے کہا کہ آپ کے خیال میں وہ کون کونسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے آپ کو زوال آنا ہے؟ آپ بتائیں کہ وہ کونسی وجوہات ہوں گی جن کی وجہ سے آپ کا زوال آئے گا۔اس وقت امریکی افسر نے واضح جواب نہیں دیا، بڑا مشکل سوال تھا۔بعد میں اس نے پھر ٹائم دیا اور بات کی۔اس سوال کو پھر حامد نے دہرایا۔اس امریکی نے ایک تو سونامی کا کہا کہ کوئی سونامی آ کر امریکہ کو ڈبو نہ دے۔پہلے بھی کوئی دو چار مرتبہ وہاں سونامی آیا ہے۔سونامی اسی طرح سے ہے جیسے قرآن میں ہے کہ ان پر نحوست کے دنوں میں ہوا چلائی۔ 'ایامِ نحس' تھے کہ آٹھ دن صبح شام آندھی چلی۔سات دن آٹھ راتیں یا آٹھ دن سات راتیں۔یہ نام بھی دیا کہ نحس دن میں ان پر چلائی۔کہتے ہیں کہ ایک دور ایسا آتا ہے کہ جس میں سب کچھ Upset ہو جاتا ہے۔امریکہ کو یہ ڈر ہے کہ یہ سونامی آ کر ہمیں ڈبو نہ دے۔اللہ کہتا ہے کہ جب جی چاہے تو ہم ڈبو دیں، یا شہر کو اُلٹا دیں۔ان کو یہ خدشہ ہے کہ سونامی جیسا ٹائم تاریخ میں آتا رہا ہے۔باباجیؒ (انصاری صاحبؒ) بھی کہتے تھے، میں نے پڑھا بھی تھا کہ یہ جو پہلے South تھا وہ اب North ہے۔یہ North اور South پہلے والے نہیں ہیں،

یہ الٹ گئے ہیں ۔مطلب یہ کہ زمین الٹ گئی ہے۔امریکیوں کے پاس تاریخی ثبوت ہیں ۔یہ جو لاوا زمین سے نکلتا ہے، اس میں Matels ہوتی ہیں ۔لوہا بھی ہوتا ہے جو پگھلا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں جو لوہے کے Particles ہیں وہ North سے South ہو جاتے ہیں اور پھر جم جاتے ہیں۔ان کا رخ جمنے سے پہلے ہی شمالاً جنوباً ہو جاتا ہے ۔پھر اس کے اوپر لاوا نکلا، پھر اور لاوا نکلا۔اسی طرح کئی ایسے لاوے نکلے۔اب جو اس لاوے میں اوپر والے کا شمال اور جنوب تھا وہ نیچے والے کا نہیں تھا۔ نیچے والے میں اوپر والے کا شمال جنوب کی طرف تھا اور جنوب شمال کی طرف ۔اس کا مطلب ہے کہ نیچے والا لاوا پہلے دور کا تھا جب یہ قطب شمال ،قطب جنوب تھا۔ اسی طرح جو لاوا بعد میں نکلا اس میں پہلے والا شمال اب جنوب ہو گیا تھا۔امریکیوں کو معلوم ہے کہ زمین نے بازی کھائی ہے، ہوسکتا ہے کہ پھر ویسے ہو۔مکمل تو نہ ہو شاید مگر عظیم تباہی ہو گی۔بڑے بڑے شہر غرق ہو جائیں گے، نیچے سے نئے نمودار ہوں گے۔اوپر سے شاید سارے شہر ہی ڈوب جائیں اور نیچے سے نئی زمینیں نکل آئے ۔دنیا کے نقشہ میں بھی کہتے ہیں کہ یہ یورپ اور امریکہ پہلے ملا ہوا تھا۔اب بھی نقشے کو جب ساتھ ملائیں تو یہ ایسے فٹ ہو جاتا ہے جیسے کٹا ہوا ہے۔یہ بات واضح ہے کہ زمین نے شمال جنوب کوئی رُخ بدلا ہے۔یہ اب بھی ہوسکتا ہے ۔کئی قسم کے سیارے ہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی سیارہ ٹکرائے اور زمین اپنے مدار سے اُکھڑ جائے ۔قیامت کبریٰ شاید یہ ہو جائے ۔قرآن میں اللہ نے کیوں کہا کہ ایام نحس میں چلائی آندھی ۔سات دن، آٹھ دن ۔ایام نحس کا کیا مطلب ہے؟ ہم تو کہتے ہیں کہ سارے اللہ کے دن ہیں، اللہ نے ایام نحس کہا۔مطلب یہ کہ ایسے ایام آتے ہیں خواہ وہ کسی وجہ سے ہی کیوں نہ پیدا ہوں ۔کسی بھائی نے کہا کہ سورۃ القمر میں یہ ایام نحس والی آیت ہے۔

باباجانؒ نے کہا کہ اللہ کرسکتا ہے جو چاہے ۔قرآن میں آیا ہے عاد کے بارے میں کہ ہم سے زیادہ کون زمین میں طاقتور ہے؟ اللہ نے کہا کہ وہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم Super power ہو گئے ہیں۔ Super power کون ہے؟

انہوں نے (عاد نے) یہی کہا تھا۔ان کو اللہ نے جواب دیا تھا۔قومِ عاد میں سے کسی کی باڈی یمن میں مل گئی تھی۔وہاں Boming کی پریکٹس کر رہے تھے کہ ساتھ آندھی چل پڑی۔ایک بم بلاسٹ ہوا، ریت اڑی اور آندھی ریت کو اڑا کر لے گئی۔اندر سے ایک لمبا چوڑا مردہ دریافت ہو گیا۔ اتنا بڑا اسر تھا اس کا۔جنرل ناصر آئی ایس آئی کا تھا،اس نے نوائے وقت میں یہ مضمون لکھ کر بھیجا اور اس مردے کی تصویر بھی چھپی تھی جو ہیلی کاپٹر سے لی گئی تھی۔مضمون جنرل صاحب کا لکھا ہوا تھا۔اس مردے کا اتنا بڑا سر تھا کہ اس کے اندر عام آدمی کے تین سر آ سکتے تھے۔اتنی لمبی باڈی تھی کہ دوسری طرف کون ہے یہ دیکھنے کیلئے چھ فٹ کی بلندی پر چڑھ کر دیکھنا پڑتا تھا۔فوٹو پر چھوٹا سا نشان بنا ہوا تھا کہ یہ آدمی کھڑا ہوا ہے۔امریکن فوراً اس پر پہنچ گئے اور قبضہ کر لیا،کسی اور کو یہ نہیں لینے دیا۔خدا نے کہا کہ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ. اس کی مثال ہم نے کہیں پیدا نہیں کی۔

اتنا بڑا ہم جیسوں کو کیا سمجھتا ہوگا؟ سر نہ بھی ہو تو وہ کیڑوں کی طرح ہم جیسوں کو مسل دے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم جیسا کون ہے؟ جب وہ مرے تو پھر کھجوروں کے تنوں کی طرح پڑے ہوئے تھے۔وہ سب ایک ہی شہر کے تھے، اللہ نے کہا ہے کہ ان کی مثل ہم نے کہیں پیدا نہیں کیے۔ امریکہ والوں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔آج کل تو کلوننگ بھی ہو جاتی ہے۔اب وہ ایسا ماڈل بنا سکتے ہیں،ان کی سائنس تو کہتی ہے کہ اگر ایک بھی ذرہ مل جائے تو اس سے کلوننگ ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مخلوق کے ہر ذرے پر اس کی پوری ڈرائینگ ہوتی ہے۔کوئی ایک بھی ذرہ مل جائے تو آپ اس کی CD تیار کر لیں گے۔اسے امریکی لے گئے تھے،امریکی ایسا بندہ بنا لاتے ہیں تو پھر دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے؟۔مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ جتنی کھدائی ہوئی،تعمیرات ہوئیں،اتنا بڑا ڈھانچہ اور کہیں نہیں ملا۔احرامِ مصر بھی کھودے،کئی جگہ کھدائیاں ہوئیں مگر کوئی سرٹیفکیٹ والی بات نہیں ہے کہ کوئی ایسا بندہ ہوا ہو،اتنا لمبا چوڑا ہو۔تصدیق ایسے کسی مجسمہ کی نہیں ہے۔کوئی گھبرانے والی بات نہیں ہے۔بے شک امریکی لے بھی گئے مگر ہمارا ان باتوں سے الگ سٹینڈ ہے۔علامہؒ کہتے ہیں کہ

اللہ کو ہے پامردیٔ مومن پہ بھروسہ ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

صحبت صالح

افادات ازخطبات حکیم الاسلام (قاری محمد طیب قاسمیؒ)

کثرتِ علم کے باوجود بے عملی کثرت سے ہے: آجکل تقریروں، جلسوں اور لٹریچر کی کمی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی دینی حالت تنزلی میں ہے۔ صرف دین ہی نہیں بلکہ دنیا کے اعتبار سے بھی تنزلی کا شکار ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جب تک اسباب مرض معلوم نہ ہوں، اس وقت تک مریض کا علاج ناممکن ہے۔ اب دین میں کمی اس کی وجہ سے تو نہیں کہ کم علمی ہو۔ کیونکہ اس زمانے میں علم کے ذرائع اشاعت جتنے موجود ہیں وہ پہلے کبھی موجود نہ تھے۔

اشاعت کثرت سے ہے لیکن اس کے باوجود دین مسلمانوں میں نہیں پھیلتا اور نہ ہی سلف کی طرح ایمان میں مضبوطی ہے اور نہ ہی ہمارا دل ایسا ہے کہ اعمال صالحہ اس کی طبیعت ثانیہ بن جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت غیر اسلامی ہے اور ماحول بھی غیر اسلامی بن گیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر کام پہلے ریاء ہوتا ہے، پھر عادت ہوتی ہے، پھر عبادت ہو جاتی ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں ہم نے علم غیر اللہ کیلئے طلب کیا لیکن علم تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہو رہا۔" وجہ اس کی یہ ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر بھی پڑتا ہے۔ مثلاً اگر ایک آدمی عورتوں کا سا لباس پہن لے، تو چند دن کے بعد اس کا دل یہ چاہے گا کہ وہ کلام بھی عورتوں کی طرح کرے، بلکہ تمام حرکات وسکنات عورتوں جیسی کریگا۔ اسی طرح اگر کوئی درویشوں کا سا لباس پہن لے، تو اس کا اثر بھی قلب پر پڑے گا۔ اگر کفار کا سا لباس پہننا شروع کر دے تو چند دنوں میں دیگر افعال بھی کفار کی طرح ہی کرنے لگے گا۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ

"اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے کی شکل ہی بنا لو"۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ظاہری افعال کا اثر نہ صرف باطن پر مرتب ہوتا ہے، بلکہ ایک درجہ میں اللہ کے نزدیک بھی

بلحاظ اجر وثواب اس کا اعتبار ہے۔

ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے۔صحابہ کرامؓ کا بھی ایک ماحول تھا کہ جو بھی اس میں آتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔اوران کا ماحول بھی بہت قوی تھا۔اُمت کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام معصوم نہیں تھے لیکن محفوظ ضرور تھے اور کوئی شخص کتنا بڑا غوث اور قطب بن جائے لیکن ادنیٰ صحابی کو نہیں پہنچ سکتا۔

قلوب کو متقی بنانا دین کا کام ہے اور یہ ماحول کے بہتر ہونے سے ہوتا ہے اور اس کی ابتداء اپنے گھر سے کرنی چاہیے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے یہ فرمایا گیا کہ "اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔"جب گھر نیکی کا نمونہ بن گیا پھر حکم فرمایا: وَ اَنْـــــــــذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۔(الشعراء) تو آپ نے اپنے رشتہ داروں کو بلایا اور ایمان لانے کی تبلیغ کی ۔جن میں کچھ سعادت تھی وہ متوجہ ہوئے اور ایمان قبول کرلیا اور اس کے بعد فرمایا کہ آپ مکہ والوں کو اور اردگرد والوں کو ڈرائیں پھر فرمایا کہ آپ تمام جہان والوں کیلئے ڈرانے والے ہوں۔ اصلاح کی ابتداء پہلے اپنے گھر سے کرنی چاہیے۔نیکی بدی میں انسان ایک بھیڑ چال ہے۔ اگر ایک ابتداء کرے تو دوسروں سے بھی تمام بُری عادتیں چھوٹ جاتی ہیں۔اور ترتیب بھی یہ ہونی چاہیے کہ اولاً گناہوں کو چھوڑنا چاہیے،پھر نیکیوں کو اختیار کرنا چاہیے اور گناہوں میں پہلے کبائر کو پھر صغائر کو چھوڑنا چاہیے۔

آج ساری مصیبت ہی یہ ہے کہ اصلاح کا عزم ہی نہیں ہوتا ، شکایت کرتے ہیں ماحول بہتر نہیں،واضح رہے کہ ماحول کا بہتر بنانا بھی تو عزم ہی سے ہوتا ہے۔عزم کی پختگی کیلئے تقویٰ کے ساتھ صحبت صالح اور نیکی کا ماحول میسر ہو۔اہل علم اور درویش صوفیاء کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔رسول اللہ ﷺ نے اچھی صحبت کی مثال عطار کی دکان سے دی ہے اگر انسان جائے تو خوشبو لیکر آتا ہے اگر چہ عطر نہ خریدے اور بری صحبت کی مثال لوہار کی دکان سے دی ہے۔ اگر آدمی جائے اور کچھ نہیں تو دھواں اس کو ضرور پہنچے گا۔اگر چہ کپڑے نہ جلیں۔بہر حال نیک صحبت اور صالحین کی معیت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

مطالعۂ فطرت

(غلام جیلانی برق)

جس طرح قولِ خدا (قرآن پاک) کا مطالعہ فرض ہے، اسی طرح عملِ باری تعالیٰ (کائنات) کا مطالعہ بھی لازمی ہے۔

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ﴾ (عنکبوت: ۲۰)

"اے رسول ﷺ! دنیائے انسانی کو کہہ دیجئے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آفرینش کی ابتداء کی"۔

جس طرح قرآن سے اعراض باعث ہلاکت ہے اسی طرح صحیفۂ کائنات سے اعراض بھی عذاب الٰہی کا باعث ہے۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ (سورۃ الاعراف:۱۸۵)

" کیا یہ لوگ آسمان وزمین وغیرہ کی تخلیق پر غور نہیں کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آگئی ہے"۔

مطالعۂ کائنات کی اہمیت کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق اور قرض وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں اور مطالعہ کائنات کے متعلق سات سو چھپن۔ قرآن حکیم ہر زمانے اور ہر قوم کیلئے آخری پیام الٰہی ہے۔ اگر آج یہ کتاب ہمیں معاون ارضیہ، دفائن جبال، اور خزائن بحار سے مستفید ہونے کا درس نہیں دیتی اور ترقی یافتہ اقوام کا ہم دوش نہیں بناتی، تو یہ کتاب (خاکم بدہن) صراحتاً ناقص اور

ناکمل ہے اور اس کا دعویٰ اَکْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (نعوذ باللہ) بے بنیاد ہے۔ آج اہلِ مغرب لوہے، تانبے، بارود اور دیگر خزائن ارضی سے فائدہ اُٹھا کر فلک علم وہنر پر آفتاب بنے ہوئے ہیں ہواؤں میں اُڑ رہے ہیں، دریاؤں میں تیر رہے ہیں۔ زمین کی بعید ترین اطراف کی خبریں لمحوں میں سن رہے ہیں، ریلیں دوڑا رہے ہیں۔ آنے والے حوادث سماویہ (بادو باراں) کی خبریں دے رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ وہ صحیفہ' کائنات کے مطالعہ کے بعد اس کے قوانین و آیات کو اپنی بہتری کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔

اصل علم صحیفہ' کائنات کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ خوف یا خشیت الٰہی صرف علمائے کائنات کا ہی حصہ ہوسکتا ہے۔ جس طرح شیکسپیئر، روسو، لقمان، سعدی، بوعلی سینا اور اقبال کی صحیح عظمت کو سمجھنے کیلئے ان کے اعمال (تصانیف) کا مطالعہ ضروری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صحیح عظمت و رفعت، کمالِ تخلیق، جمالِ تکوین، نظام ربوبیت اور حیرت انگیز نسقِ کائنات کو سمجھنے کے لئے صحیفہ' فطرت میں غور و تدبر کرنا پڑے گا۔ اگر کسی مصنف کی تعریف اس کی تصنیف پڑھے بغیر ہوسکتی ہے تو اللہ کی حمد و ثنا بھی اس کے حیرت انگیز اعمال پر تدبر کئے بغیر ممکن ہے۔

ایک بھوکا روٹی ملنے پر، پیاسا پانی حاصل کرنے کے بعد اور جاہل دولت علم سے بہرہ ور ہو کر شکریہ ادا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اولاد ملنے پر یوں شکر الٰہی ادا فرماتے ہیں:

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے دو بیٹے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ عطا فرمائے"۔

حضرت یوسف علیہ السلام زندان سے رہا ہو کر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جیل خانے سے نکال کر مجھ پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے۔"

مطالعہ کائنات کی طرف دعوت دینے کے علاوہ کس وسیع ہمدردی کا پیام دیا گیا ہے۔ اللہ کو صرف حقیقی حمد و ثنا پسند آتی ہے، اس لئے آج بعض ایسی اقوام معزز کر دی گئیں جو اللہ تعالیٰ

کی صحیح معنوں میں شاکر ہیں اور ہمیں ریاءکاری وزبانی حمد و ثناء کی سزا ذلّت اور غلامی کی صورت میں دی گئی، حالانکہ ظاہری ساجدوں اور مصلیوں سے ہماری مساجد معمور ہیں لیکن:۔

قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا: ۱۳) میرے حقیقی شکرگزار بندوں کی تعداد بہت کم ہے۔

زمین کے اندر معدنیات کا ایک حیرت انگیز سلسلہ موجود ہے۔فضاء میں مخفی قوانین سمع و بصر (ریڈیو، ٹیلی ویژن) محوِعمل ہیں۔آج بجلی اوراس کے کرشموں جرِثقیل اوراس کے معجزوں، سٹیم اوراس کے عجائبات، پیٹرول اوراس کے کمالات سے دیگر اقوام فائدہ اُٹھا رہی ہیں، حالانکہ: "تمام کائنات وخزائن ارضی تمہارے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔"(البقرہ:۲۹)

قدرت کی طرف سے ہمیں آنکھیں، کان اور دل و دماغ عطا ہوئے ہیں لیکن ہم نے ان اعضاء کا صحیح استعمال نہ کیا اور آج اس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں۔

اسلام میں تفکر وتدبر کو بہترین عمل قرار دیا گیا ،حدیث میں وارد ہے:

"صحیفہ کائنات میں گھڑی بھر کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔"

آج کی دنیا میں وہی قوم بلندی و آزادی اور عزت حاصل کرسکتی ہے جو صحیح معنوں میں فیض رساں اور خادمِ خلق ہو جو مخازن و معادن کو استعمال میں لاکر رفاہ عامہ کے لئے گاڑیاں چلائے، دریاؤں پر پل باندھے،نہروں اور سڑکوں کے جال بچھائے، سمندر کی طغیانیاں مسخر کرکے انہیں تجارت کے قابل بنائے، جس کی تلاش وجستجو سے ایک عالم فائدہ اُٹھائے، جو آبشاروں سے بجلی پیدا کرکے دنیا کو روشنی اور طاقت عطا کرے، جو کوئلے اور پیٹرول کا صحیح استعمال جانتی ہو اور جس کے فولادی اسلحہ اعدائے انسانیت کے لئے تباہی و ہلاکت کا پیام ہوں۔

قرآن حکیم میں ہمیں اَمر بالمعروف کا حکم دیا گیا ہے۔معروف یہ بھی ہے کہ ہم کائنات کے اسلحہ خانہ سے قوت و ہیبت کا وہ سامان پیدا کریں کہ شیطان کا چراغ ہمیشہ کیلئے گل

ہوجائے۔ تامرون بالمعروف میں تامرون کالفظ صاف صاف اس حقیقت کااعلان ہے کہ خیر الامم وہ ہے جو دنیا میں معروف، یعنی نیکی، عدل، مساوات اور صلح و آشتی کا حکم دے سکے۔ حکم دینا حاکم کا کام ہوتا ہے، لہٰذا خیر الامم کیلئے حاکم ہونا ضروری ہے اور اس زمانے میں کوئی حکومت معاون ارضی کے استعمال کے بغیر ایک دن کے لئے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ منکر کے لفظ میں ہر قسم کی بدی شامل ہے۔ دنیا میں غلامی سب سے بڑی برائی ہے۔ یہ ذلت بدکاری، جہالت کی آخری منزل ہے ایک غلام قوم میں معروف (نیکی) کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ وہ بکریوں کا ایک ریوڑ ہوتی ہے جس طرح بکری کا دودھ، گوشت، چمڑا، ہڈیاں اور بال تک فروخت کئے جاتے ہیں، اسی طرح ایک حاکم قوم محکوم قوم کی تمام پیداوار، سرمایہ، اجناس، زمین اور جان تک صرف اپنے فائدے کیلئے استعمال کرتی ہے کیا ایسی قوم خیر الامم کہلا سکتی ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مسلمانو! تم خیر الامم ہو اور دنیا کی بہتری کے لئے اُٹھے ہو، تمہارا کام معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے۔"

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ خیر الامم بننے کیلئے تمام دنیا کی بہبود پر توجہ کرنا پڑے گی اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے پاس نفع رسانی کے تمام اسباب موجود ہوں۔ ہم عالم گیر علم، ہیبت خیز اسباب قوت اور جاذب قلوب متاع اخلاق و کردار کے مالک ہوں۔ اگر ایک طرف دنیا ہمارے اخلاق کی ثناء خواں ہو تو دوسری طرف ہماری شمشیر خارا شگاف سے ہفت اقلیم کی طاغوتی طاقتیں رعشہ براندام ہوں۔ یہی معروف ہے یہی وہ قبائے زریں ہے جو خیر الامم کے قامت پر راست آتی ہے۔

مولانا رومؒ کی سنہری باتیں اور اقبالؒ

عبدالرشید ساھی (ڈسکہ)

؎ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں   تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

☆...... کائنات انسان کے دل میں منعکس ہوتی ہے اس کے انعکاس کے لیے لازمی ہے کہ دل کا آئینہ صاف ہو۔حرص و ہوا اور دنیا داری کا تردد اور حُبّ الشہوات، دل کے آئینے کو زنگ آلود کر دیتے ہیں۔

؎ دل دا شیشہ صاف نئیں کردا   نت دھوویں میل بدن دی

☆...... عرفانِ حقائق کے بغیر مقصد حیات حاصل نہیں ہو سکتا۔سینہ بے کینہ اور دل شفاف آئینہ ہونا چاہیے۔حقیقت اور مجاز کا فرق تجھے اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب سرمۂ عنایت تیری چشم بصیرت کو صاف کر چکا ہو۔

☆...... ہر فرد کسی خاص مقصد کے لیے پیدا ہوتا ہے اور اس مقصد کے حصول کی خواہش پہلے ہی اس کے دل میں رکھ دی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ناراض ہوتے ہیں نامناسب دُعا آداب بندگی کے خلاف ہے، نیک لوگوں کی قربت سے ہمیشہ فائدہ ہوتا ہے۔

؎ نیک لوکاں دی سنگت ایویں جیویں دکان عطاراں   سودا پاویں مول نہ لیے ٹلے اون ہزاراں

☆...... حضور اکرم ﷺ کی چاہت کے بغیر زندگی بے معانی ہوگی اور وہ انسان آخرت میں بھی رحمت الٰہی سے محروم رہے گا۔

؎ نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر   وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

☆...... آئی ہوئی مصیبت کسی بڑی مصیبت سے بچانے کا ذریعہ ہوتی ہے اس لیے حالات کو

اللہ کے سپرد ہی رکھنا چاہیے۔

☆...... جاہل، احمق اور بدکردار انسان سے اچھے مشورے کی توقع ہرگز نہ رکھو۔اگر عورت بھی صاحب کردار ہو تو اس سے بھی مشورہ کرلو۔

☆...... بے وقوف کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے لیکن تنہائی سے بہتر ہے کہ اچھے لوگوں کی تلاش جاری رکھو۔

؎ بدلوکاں دی سنگت ایویں، جیویں دکان لوہاراں کپڑے پاویں کنج کنج بہیے، چنگاں پین ہزاراں

☆...... طلب صادق ہو تو خدا کی مدد پہنچ جایا کرتی ہے۔

☆...... مخلوق خدا پر رحم کرنے سے دنیا و آخرت دونوں میں سرفرازی عطا ہوتی ہے۔

؎ کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

☆...... جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کا مقام و مرتبہ بلند فرما دیتے ہیں۔

؎ کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں

☆...... انسانی ذات محدود ہے اور اللہ لامحدود، اگر محدود یعنی انسان لامحدود یعنی اللہ کا امتحان لینے کی کوشش کرے تو اسے حماقت اور بے وقوفی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے جب نصرت الٰہی پر کامل یقین ہو جائے تو مومن کے دل سے مخلوق کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔

☆...... موت ایک تلخ حقیقت ہے اسے شیریں حقیقت بنانے میں مصروف عمل رہو۔مردان خدا کا دامن پکڑ لو ان کے لمس سے کندن بن جاؤ گے۔

؎ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

☆...... شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اس لیے ہر لمحہ اس سے چوکنے رہو۔جو مصیبت میں کام نہ آئے وہ دوست نہیں۔

☆...... ربّ تعالیٰ کے ہاں آنسوؤں کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ جب حق سے آشنائی ہو جاتی ہے تو دنیا کی ہر چیز ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے۔

؎ دردی توں چھڈ غلامی بن اکو دردی　　　اک دردی جے کوئی ہسیں تاں مالک سارے گھر دی

☆...... نیکی کرنے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔

☆...... دل کی صفائی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گنج نامہ عاجزی، انکساری اور من میں تلاش کرنے سے ملتا ہے۔

؎ من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں　　　تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

☆...... دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کرنا عقلمندوں کا شیوہ ہے۔

☆...... خردماغ اور جاہل کو کوئی نصیحت کرنا ایسے ہے جیسے بنجر زمین میں بیج ڈالنا۔

☆...... نماز اس طرح پڑھ گویا تم اللہ تعالیٰ کے حضور دست بستہ کھڑے ہو۔

☆...... وہم کا کوئی علاج نہیں تو ہم پرست سے جو عقیدہ چاہیں منوالیں۔

☆...... نفس کو قید و بند میں رکھ، یہ خونی درندے کی مانند ہے، اگر یہ احسان فراموش ہو جائے تو مثل نمرود بن جاتا ہے۔

☆...... آوازِ حق بلند کرنا باہمت لوگوں کا کام ہوتا ہے۔

؎ آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

☆...... انسان کو ہر دم اپنی حقیقت سے آگاہ رہنا چاہیے ورنہ بعض لوگ اپنی حقیقت کو فراموش کر کے خدا بننے کی کوشش کرتے ہیں، جو خسارے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

☆...... حسد ایک بیماری ہے اس سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

؎ تلوار سے دنیا کی امامت نہیں ہوتی　　　کردار کی خوشبو سے الٹ جاتے ہیں آفاق

☆...... دوستی کی کشتی میں پہلا سوراخ شک کا ہوتا ہے۔

☆...... وفا ایک ایسا دریا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

☆...... صرف رسمی تعلیم کا مقصد روحوں کو تباہ کرنا۔

☆...... ہستی کا آئینہ فنا ہے۔فنا اختیار کر، تا کہ تو ہستی کو دیکھ لے، تم صرف دل ہی سے آسمان کو چھو سکتے ہو۔

☆...... صبر خوشی کی چابی ہے۔

؎ صبر کریں تاں اجر ملے گا آئی خبر کتاباں صبر تروڑے قفل محمد ہر ہر مشکل باباں

☆......کھانے کے ایک لقمہ میں اگر بال یا ریت کا ذرہ آجائے تو پورا نوالہ پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر تمہاری روح کیسے آلودہ غذا برداشت کر سکتی ہے۔

☆...... میانہ روی یعنی درمیانی راہ ہی عقلمندی ہے۔

☆...... لازوال خوبصورتی صرف دل کی خوبصورتی ہے۔

☆...... اصل فقیر ہمیشہ شریعت محمدی ﷺ کا پابند ہوتا ہے کیونکہ شریعت کی پابندی کے بغیر شریعت عین مکاری ہے۔

☆...... محبت کو دیکھو، یہ پیار میں مبتلا ہونے والے کو کس طرح جکڑ لیتی ہے۔

؎ محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے
محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

خوف اور شوق

(واصف علی واصف)

ڈر انسان کے احساس کا ایک قوی حصہ ہے ۔ ہر حساس آدمی خوفزدہ رہتا ہے ۔ خوف کی وجہ معلوم ہو یا نامعلوم، خوف قائم رہتا ہے ۔خوف انسان کی سرشت میں شامل ہے اس سے مفر مشکل ہے۔

جب تک زندہ رہنے کی خواہش زندہ ہے، زندگی کے ختم ہو جانے کا ڈر ختم نہیں ہو سکتا۔ ڈر ایک سائے کی طرح انسان کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے ۔نئی خواہشیں نئے اندیشے پیدا کرتی ہیں اور نئے اندیشے نئی خواہشیں تخلیق کرتے ہیں۔خواہش کے نہ پورا ہونے کا ڈر ہر خواہش کے باطن میں موجود رہتا ہے اور ڈر کے باوجود انسان خواہش کو نہیں چھوڑتا۔

بے یقینی کی فضاء اور غیر یقینی حالات نے انسان کو اندیشے عطاء کئے ہیں ۔ زندگی کا چراغ خوف کی آندھیوں کی زد میں رہا ہے ۔موت سے زیادہ خوفناک شے موت کا ڈر ہے ۔ یہ ڈر زندگی کو گھن کی طرح کھائے چلا جا رہا ہے۔انسان جب یہ سوچتا ہے کہ اس کی ہر چیز اس سے چھن جائے گی اور وہ اقربا کو چھوڑ کر خالی ہاتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف اکیلا روانہ کر دیا جائے گا تو وہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

موت کا عمل تو زندگی کے عمل کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے ۔بچپن بچپن ہی میں مر جاتا ہے ۔ جوانی ختم ہو جاتی ہے ۔بینائی کے چراغ مدھم ہو جاتے ہیں ۔انسان کی آنکھوں کے سامنے محبوب اور مانوس چہرے رخصت ہونا شروع ہو جاتے ہیں ۔نقشے جغرافیے اور تاریخیں بدل جاتی ہیں۔آرزوئیں حسرتیں بن جاتی ہیں ۔

موت صرف سانس یا آنکھ کے بند ہو جانے کا نام نہیں ۔ ہر آرزو کی موت، موت ہے ۔بلکہ عزیزوں کی موت اپنی موت ہے ۔وابستگی اور تعلق کی موت اپنی موت ہے ۔مقصد مر جائے تو

انسان مرجاتا ہے۔ بے مقصد زندگی چاہے کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو موت سے بدتر ہے۔ بے مقصد انسان بے خوف نہیں ہوسکتا۔ با مقصد اور بامعنی زندگی موت کے ڈر سے بے نیاز ہوتی ہے

موت کے ڈر کے علاوہ آج کی زندگی کو اور بھی کئی خطرات کا ڈر رہتا ہے۔ ہم اپنے اعمال کی عبرت سے ڈرتے ہیں۔ ہمیں اس دن سے خوف آتا ہے جب راز فاش ہوں گے اور بداعمالیاں چہروں پر لکھی جائیں گی۔ جب مجرم کی زبان خاموش کر دی جائے گی۔ اور مستند گواہیاں اس کے خلاف رطب اللسان ہوں گی۔ وہ دن کسی دن بھی آ سکتا ہے۔ اس خوف سے نجات کا راستہ صرف اور صرف توبہ ہے۔

دولت کی محبت غریبی کا ڈر پیدا کرتی ہے۔ انسان اسی لئے تو دولت جمع کرتا ہے کہ غریبی سے نجات ملے۔ وہ جتنا مال جمع کرتا ہے اس سے زیادہ کی خواہش رہتی ہے اس طرح دولت لوبھ پیدا کرتی ہے اور یہ لوبھ خوف پیدا کرتا ہے لالچ نہ نکلے تو خوف نہیں نکل سکتا۔

"لا خوف"، لا تخف " اور "لا یحزنون " کی منزلیں طے کرنے والے مال کی محبت سے آزاد ہوتے ہیں۔ دولت کی تمنا کے لئے خوف کا عذاب لکھ دیا گیا ہے۔

ہم اپنے آپ کو جتنا محفوظ کرتے ہیں اتنا ہی غیر محفوظ ہونے کا ڈر ہمیں دبوچ لیتا ہے۔ سیکورٹی کی تمنا خوف کا دوسرا نام ہے۔

جو انسان دوسروں کو خوفزدہ کرتا ہے وہ خود خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ جو طاقت خوف پیدا کرتی ہے وہ خود خوفزدہ رہتی ہے۔ طاقتور کو کمزور ہونے کا خوف کھاجاتا ہے۔ طاقت کا استعمال خوف کے ساتھ نفرت بھی پیدا کرتا ہے۔ کمزور انسان کی نفرت ہی طاقتور کے لئے خوف ہے۔

کوئی دنیاوی طاقت ہمیشہ کے لئے طاقتور نہیں رہ سکتی۔ فرعون کو موسیٰ کی پیدائش سے پہلے ہی خوف لاحق ہوگیا تھا۔ فرعون کی دولت اس کا دبدبہ اس کی حکومت اس کے لشکر اسے ایک بچے کے خوف سے نہ بچا سکے۔ ایک انسان کے خوف نے ایک بادشاہ کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور آخر کار طاقت غرقِ دریا ہوگئی۔ اقتدار اور اختیار کا بے قرار رہنا فطری بات ہے۔

کچھ لوگوں کے لئے ماضی کی یاد خوف پیدا کرتی ہے۔کچھ لوگ مستقبل کے اندیشوں سے دو چار ہیں۔خوف موجود لمحے کا تو ہوتا ہی نہیں۔خوف صرف جانے والے یا آنے والے وقت کا ہوتا ہے۔گزرے ہوئے زمانے کا خوف دراصل آنے والے زمانے کا خوف ہے۔ ماضی صرف اسی وقت خوفزدہ کرتا ہے جب اس کا ناخوشگوار نتیجہ ابھی باقی ہو۔

اس کی رحمت پر نگاہ رکھی جائے تو خوف ختم ہوجاتا ہے۔خوف آخر مفروضہ ہی تو ہے۔ وہ المیہ جو ابھی رونما نہیں ہوا اور رونما ہوسکتا ہے، اندیشہ کہلاتا ہے۔انسان اگر مستقبل کو آئینۂ تخیل میں اتارنے کی بجائے حال کے فرض کا قرض ادا کرے تو خوف سے بچ جاتا ہے۔ مستقبل صرف خواب ہی تو ہے۔خوفناک ہو یا حسین محتاجِ تعبیر ہے اور ماضی کتنا ہی بھیانک ہوا ایک تصویر ہی تو ہے، بے جان تصویر۔حال اور صرف حال حقیقت ہے۔حال زندگی ہے عمل ہے خوف سے آزاد ۔جو ہوا سو ہو چکا۔جو ہونا ہے سو ہو جائے گا۔

صرف خوف کسی خطرے کو ٹال نہیں سکتا۔صرف خوفزدہ رہنے سے تو دشمن نہیں مرتے عمل کی ضرورت ہے اور عمل کے لئے خوف سے نجات ضروری ہے۔

اسی فانی اور مختصر زندگی میں لوگوں نے خوف سے آزاد رہ کر کارنامے سرانجام دیئے عظیم تخلیقات ہوئیں، تہذیبیں پیدا ہوئیں، تمدن پیدا ہوئے اور پرانے کھنڈرات کے دامن میں نئی عمارتیں بنائی گئیں۔

زندگی صرف خوفزدہ رہنے کے لئے نہیں ملی۔خوف ترقی سے محروم کردیتا ہے اور خوفزدہ انسان اپنے اندر ہی ریت کی دیوار کی طرح گر جاتا ہے۔اور یوں زندگی ہی میں مر جاتا ہے عظیم انسان موت کی وادی سے باوقار ہو کر گزر رتے ہیں۔

دراصل کچھ مزاج ہی ایسے ہوتے ہیں، جو ہر حال میں ڈرتے ہیں۔عبادت کریں تو اس کے نامنظور ہونے کا انہیں ڈر رہتا ہے۔وہ سفر کریں تو حادثات کا خطرہ ان کے دل کی دھڑکنیں تیز رکھتا ہے۔دھوپ ہو تو انہیں دھوپ سے ڈر لگتا ہے بارش ہو تو بارش سے وہ بجلی کی

چمک اور بادلوں کی گرج سے ڈرتے ہیں۔وہ کسی ناگہانی آفت کی گرفت کے امکان سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ان کے قلوب کی سرزمین میں ہمہ وقت زلزلے آتے رہتے ہیں۔وہ ہر وابستگی سے ڈرتے ہیں۔وہ قربتوں سے بھی ڈرتے ہیں اور فاصلوں سے بھی خوفزدہ رہتے ہیں۔ان کے لئے ہر مشاہدہ خوف پیدا کرتا ہے اندیشوں کی آکاس بیل ان کی زندگی کے شجر کو لپیٹ میں لے لیتی ہے اور ان کی ہستی اس ٹوٹے ہوئے جہاز کی طرح ہوتی ہے جسے کوئی ہوا بھی راس نہیں آتی۔

بزدل انسان کو کوئی حالت خوف سے آزاد نہیں ہونے دیتی،کوئی نہ کوئی خطرہ اس کے وجود میں موجود رہتا ہے۔اسے دریا میں ڈوب جانے کا ڈر رہتا ہے۔صحرا میں پیاس سے مرجانے کا ڈر رہتا ہے۔اسے دنیا کا ڈر رہتا ہے۔عقبیٰ کا ڈر رہتا ہے۔وہ شاید یہ نہیں جانتا کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب سے وسیع تر ہے۔یہ زندگی اندیشوں کے لئے نہیں پیدا کی گئی۔یہ زندگی اس کی رحمت اور اس کے فضل کے حصول کے لئے دی گئی ہے۔راتیں ہمیشہ تاریک نہیں ہوتیں اور کوئی تاریک رات ایسی نہیں جو دن کے اجالے میں ختم نہ ہو۔سورج ضرور طلوع ہوتا ہے۔کامرانیوں کا،سرفرازیوں کا،اعتماد اور یقین حاصل ہو جائے تو اندیشے ختم ہو جاتے ہیں۔اعتماد محبت سے حاصل ہوتا ہے۔خدمت سے حاصل ہوتا ہے،عبادت سے حاصل ہوتا ہے۔

جس زندگی میں شوق ہوگا اس میں خوف نہیں ہوگا۔ خوف دوزخ ہے،شوق جنت۔ شوق کا تعلق دل سے ہے مفادات کا واسطہ دماغ سے ہے۔دل قربانیاں پیش کرتا ہے،عقل حاصل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔قربانیاں پیش کرنے والے کو کوئی ڈر نہیں ہوتا اور حاصل کی تمنا کرنے والا محرومی کے اندیشوں سے نہیں نکل سکتا۔ جب تک یہ زندگی اس مقصد کے لئے نہ صرف کی جائے جس مقصد کیلئے اسے تخلیق کیا گیا یہ خوف کے عذاب سے نہیں بچ سکتی اور وہ مقصد خالقِ ہستی نے واضح اور واشگاف الفاظ میں فرما دیا ہے۔پیدا کرنے والے کی منشا کے خلاف جو زندگی ہوگی،خوف زدہ ہوگی۔خالق سے دوری ڈر پیدا کرے گی اور خالق کا قرب جس حالت میں بھی ہو،خوف سے نجات دے گا۔فیصلہ انسان نے خود کرنا ہے۔

روح، نفس اور زندگی کا باہمی تعلق

(سلطان بشیر محمود)

روح انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا اَمـــرُ یعنی ارادہ (Idea) ہے جسے امتحان کے لئے جسم بطور مکان عطا کر دیا جاتا ہے۔ بندے اور اللہ تعالیٰ کا تعلق روح کے ذریعے سے قائم ہے چونکہ یہ امـــر ربّـــی ہے اسے اچھائی اور برائی کی تمیز اور اختیار حاصل ہے۔ دنیاوی حیات میں ماحول، اچھائی اور برائی کو قوتوں، ایمان، عمل، خواہشات کی بہتات، حرام اور حلال کے کھانے پینے کے نتیجہ میں روح کی جو شکل نکلتی ہے، اسے نفس کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کی مجموعی شخصیت ہے اور ہماری زندگی کا حاصل جمع ہے۔ قرآن پاک میں انسانی روح کیلئے نفس کا نام استعمال کیا گیا ہے زندگی میں نفس کا ارتقاء اس کے اعتقاد اور اعمال کی سمت میں ہوتا رہتا ہے اسکی ایک مثال بیج اور درخت کی ہے، روح مانند بیج ہے اور نفس اس سے اُگ کر بڑا ہونے والا درخت ہے۔ موت کا عمل یوں ہے جیسے مکین سے مکان چھین لیا جائے۔ جسم مر جاتا ہے لیکن نفس پھر بھی زندہ رہتا ہے پیدائش کے وقت روح اپنی تقدیر کا پرچہ ساتھ لے کر دنیا میں وارد ہوتی ہے۔ زندگی اور موت کے حالات سبھی اسی تقدیر کا حصہ ہیں جسم اس کیلئے مادی دنیا سے رابطے اور اس سے کام لینے کا ذریعہ ہے امام غزالیؒ کے نزدیک جسم ایک سواری ہے اور روح سوار ہے اور نفس انسان خود ہے۔

زندگی کے سفر میں ایک طرف شیاطین ہیں، جن کی کوشش اسے گمراہ کرنا ہے دوسری طرف ملائکہ ہیں جو اسے سیدھی راہ پر رکھنا چاہتے ہیں۔ آدمی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ملائکہ کی بات مانے یا شیاطین کی، بحر حال وہ اپنے لئے خود ہی راستہ تلاش کرتا ہے۔ موت کے بعد گھوڑا یعنی جسم جس کا تعلق زمین سے تھا، زمین ہی میں رہ جاتا ہے اور نفس اپنے اختیار کو کھو کر عالم برزخ میں واپس چلا جاتا ہے اور پھر ان دونوں کا ملن یـوم الـدین کو ہوگا۔ جب تمام انفاس کائنات میں سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اکٹھے ہو جائیں گے۔

ہر چیز جسم اور روح کا مرکب ہے جسم روح کیلئے ایک گاڑی کا کام کرتا ہے اور روح اس کی رہنمائی کیلئے ہے۔ یوں سوار اور سواری ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ نیند کی حالت میں سوار سواری سے اور سواری سوار سے جدا ہو جاتے ہیں جو جاگنے کے بعد دوبارہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ لیکن موت ایک بہت طویل مدت کی نیند ہے۔ حشر کا دن انسانی جسم کے اجزا کے ابدی ملاپ کا بھی وقت ہے۔ اس میں یہ اجزائے جسم اپنے نفوس سے مل جائیں گے۔

جہاں تک انسان کا تعلق ہے قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ہیبت پر پیدا کیا ہے اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر انسان دنیا پر خدائی صفات کا مظہر ہے۔ یہی بات **خلیفۃُ اللّٰہ فی الارض** بننے کا حق دیتی ہے۔ <u>رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ نطفہ میں چالیس دن بعد روح پھونک دی جاتی ہے۔ اس روح کا خاصہ خالق کی پہچان اور اچھائی برائی کی تمیز ہے یعنی زندگی کی اصل کامیابی کی طرف رہنمائی اسی روح سے ہوتی ہے۔ یوں روح انسان پر رحمٰن الرحیم کی خاص رحمت اور اس کی طرف سے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔</u>

روح نہ تو انائی ہے نہ مادہ۔ یہ **امرِ ربی** ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی ہے۔ جس کو ہم ضمیر کی آواز کہتے ہیں۔ یہ اس وقت انسان میں پھونکی جاتی ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں جسم اور زندگی پر مشتمل ایک لوتھڑا ہوتا ہے۔ پیدائش کے بعد انسان کو اختیار مل جاتا ہے اور جس کے تحت روح سے نفس اٹھتا ہے، جو ہماری اپنی ذات اور شخصیت ہے۔ مثال کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان ایک کمپیوٹر ہارڈ ویئر کی مانند ہے اس کی زندگی اس میں بجلی کی مانند ہے اور روح پروگرام یا سافٹ ویئر کی مثل ہے اور نفس مجموعی کارکردگی (output) ہے۔

قرآن کریم میں انسانی زندگی کو نفس کا نام دیا گیا ہے۔ہم روح کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور نفس کے ساتھ اس جہان سے جاتے ہیں۔اختیار کے استعمال سے روح کی جو شکل نکلتی ہے اسے نفس کہا جاتا ہے۔یعنی روح کا تعلق ہماری فطرت سے ہے اور نفس ہماری ٹوٹل شخصیت کا آئینہ ہے۔جس کا انحصار انسان روح کے فطری مقام، اس کی جسمانی اور دماغی صلاحیتوں اور ماحول اور تعلیم وتربیت کے اثرات اور اختیاری عقائد اور اعمال پر ہے۔

جہاں تک موت کا تعلق ہے یہ بھی زندگی ہی کی ایک شکل ہے مثال کے طور پر ہم کہیں گے جیسے پانی منجمد ہو کر ٹھوس بن جاتا ہے۔موت بھی زندگی کو منجمد کر دیتی ہے جس طرح برفانی حالت میں پانی کے بہنے کی خاصیت زائل ہو جاتی ہے اسی طرح موت عمل کی قوت کو سلب کر لیتی ہے۔

1- روح انسان کی فطرت، اللہ تعالیٰ کا امر، حق کی طرف رہنمائی کا باعث ہے جو ضمیر کی شکل میں بھی اپنا اظہار کرتی رہتی ہے۔

2- نفس روح کی وہ شکل ہے جو اختیار کے نتیجہ میں فطری صلاحیتوں، ماحول، تعلیم وتربیت ،عقائد اور اعمال وغیرہ کے اثرات سے بنتی ہے۔

3- زندگی انسان کی حرکت اور نشوونما کی قوت ہے۔اور جسمانی ایٹموں میں توازن کا اظہار ہے

4- جسم انسان کے لئے مانند مکان ہے جو اس کی رہائش اور دنیا سے رابطے کا ذریعہ ہے۔ جیسے برتن ٹوٹنے سے پانی باہر نکل جاتا ہے، جسم کی موت پر نفس اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

اپنی ترکیب میں انسان دو جوڑوں کا مجموعہ ہے۔پہلا جوڑا روح اور اختیار کا ہے اور دوسرا جوڑا جسم اور توانائی کا ہے جو زندگی کا مظہر ہے۔جس طرح ایٹم کی ساخت سے برقی اثر (Charge) آزاد حالت میں نہیں رہ سکتا بلکہ یونہی کوئی جسم اسے ملتا ہے اس پر چڑھ جاتا ہے اسی طرح ارواح عالم، ظاہر میں جسم کے بغیر نہیں رہ سکتے۔اس لئے جیسے ہی کسی بچہ کی رحم مادر میں تولید ہوتی ہے اور جب وہ انسانی شکل ڈھال لیتا ہے تو اس میں روح داخل ہو جاتی ہے

اورزندگی میں اختیار کے زیر اثر نفس بن کرابھرتی ہے۔اختیار کی یہ قوت اسے **علین** میں بھی لے جاسکتی ہے اور **اسفل السافلین** میں بھی۔علامہ اقبالؒ کے الفاظ ہیں:

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

درحقیقت قدرت میں ہر شے زندہ ہے اوراس کا فہم وادراک اس کی خصوصیات کا مظہر ہے اگر عناصر کے ذرات کوکسی خاص ترتیب اورنظام کے تحت اکٹھا کیا جائے، جس کے نتیجے میں انٹراپی (Entropy) کم ہو جائے تو یہ مل کر زندگی کے بہتر درجات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس لئے ہمارے ہاں"یہ زندہ ہے اور وہ مردہ ہے " کی اصلاحات بے جا ہیں۔ یہ حقیقت سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہیں۔جہاں زندگی کی حرکت ہمیں نظر آتی ہے اسے ہم زندہ کہہ دیتے ہیں اور جہاں زندگی کی حرکت ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اسے ہم مردہ کا نام دیتے ہیں حالانکہ کون زندہ ہے اور کون مردہ؟ یہ اپنے اپنے ادراک کی بات ہے۔کوئی پتھروں سے بھی ہم کلام ہونے کی قابلیت رکھتا ہے اور کوئی انسانوں سے بھی بیگانہ ہے۔جس طرح ترتیب کے مدارج ہیں اسی طرح بے ترتیبی کے بھی مدارج ہیں۔لہٰذا نسبتی حیثیت میں کسی نہ کسی درجہ پر سبھی زندہ ہیں۔نباتات، جمادات کی نسبت اعلیٰ تر زندگی کے مدارج پر ہیں اور حیوانات نباتات کی نسبت سے بالاتر زندگی رکھتے ہیں۔ان سب سے بالا انسانی وجود ہے جو زندگی کے سب سے اونچے درجہ کا مظہر ہے۔

یہ نظریہ کہ ایٹم زندگی کی بنیادی اکائی ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مردہ ذروں کے مرکبات سے ازخود زندگی کہاں سے آئے گی۔

وقت سے فائدہ اٹھانا اور زمانے سے عبرت حاصل کرنا

(محمد بشیر جمعہ)

ممکن ہے ہر کھوئی ہوئی چیز انسان کو واپس مل جائے لیکن وقت واپس ہاتھ نہیں آتا۔ اگر یہ ضائع ہو جائے تو اس کے لوٹنے کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔اس بناء پر وقت انسان کی عزیز ترین اور نفیس ترین متاع ہے۔عقل مند آدمی ہمیشہ اپنے دن اسی طرح گزارتا ہے جس طرح کنجوس آدمی اپنی پسندیدہ دولت خرچ کرتا ہے۔زیادہ تو دور کی بات ہے وہ اسے تھوڑا سا خرچ کرتے ہوئے بھی سوچتا ہے۔

ہمیں جب اپنی زندگی کا، یا اپنے ہونے کا احساس ہوتا ہے اور وہ زمانہ یاد آتا ہے جب ہم نے اپنی زندگی کا آغازِ سفر کیا تھا اور حساب لگاتے ہیں کہ کتنے دن اور سال بیت گئے تو پھر ہم اسی فکر میں کھو نہیں جاتے۔ہمیں اپنا ماضی ابھی کل کی بات لگتا ہے۔حالانکہ کئی سال ہم گزار چکے ہوتے ہیں۔یوں لگتا ہے جیسے ابھی ایک دن گزرا ہے اور ماضی کے سارے ہنگامے اس ایک دن میں رونما ہوئے۔ہمارا یہ شعورِ زندگی اس دنیا کے اندر رہ کر ہے اور زندگی کے بارے میں ہمارا دوسرا تصور اس وقت ظاہر ہوگا جب ہم حساب کے لئے قیامت کے دن کھڑے کئے جائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ: "اور جس دن ہم ان کو جمع کریں گے (ان کو یوں لگے گا) جیسے وہ دن کی ایک ساعت دنیا میں جئے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔ (یونس 45)
"آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہیں گے تم تو دس دن دنیا میں رہے۔ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ کیا کیا کہیں گے۔تب ان میں سب سے بہتر شخص کہے گا: "تم صرف دن بھر جیئے ہو"۔
(طٰہٰ 104-103)

"گویا جس دن وہ اس کو دیکھ لیں گے، ایسا لگے گا جیسے وہ شام تک جیئے یا چاشت تک"۔ (النازعات 46)

یہ احساس ان لوگوں کو سانپ کی طرح ڈس لے گا جو لوگ زمین پر ہمیشہ زندہ رہنے کے وہم میں مبتلا تھے اور اپنی زندگی کا آخری ٹھکانہ مٹی کو ہی سمجھ چکے تھے۔ یہ احساس سچا ثابت ہوگا جب دنیا کے دنوں کا آخرت کے دنوں پر قیاس کیا جائے گا۔ لیکن یہ احساس فریب اور دھوکہ ہوگا اس شخص کے لئے جس نے کئی صبحیں اور کئی شامیں دیکھیں، جس پر کئی مہینے اور کئی زمانے گزر گئے۔ جس نے کئی صبحیں کیں، کئی شامیں کیں، تھک گیا اور آرام کیا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آج اور کل سے غافل رہا۔ بے کار کاموں میں دن گزار دیئے اور پھر لغو وعبث کاموں ہی میں وہ بوڑھا ہو گیا۔ اس کی بھوئیں لٹک کر آنکھوں پر آ گئیں اور موت کی تاریکیوں میں داخل ہو گیا، ایسا شخص گویا جھلا کر بیدار ہو جائے گا۔ لیکن افسوس اس وقت اس کا ہوش میں آنا، وقت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ہوگا اور بے فائدہ ہوگا۔

دنیا میں لوگوں کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ لوگ لہو ولعب میں غرق رہتے ہیں اور تقدیر ان کے ساتھ بڑی سنجیدگی سے معاملہ کرتی ہے۔ لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ان کے اعمال کا ذرّہ ذرّہ کا حساب کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جس دن اللہ پاک ان کو دوبارہ زندہ کریں گے تو پھر ان کو بتا دیں گے کہ یہ کس طرح کام کرتے رہے تھے۔ اللہ نے ان کے ہر عمل کو شمار میں لیا ہے لیکن وہ اللہ کو بھول چکے تھے۔ اور اللہ ہر شے کو اچھی طرح دیکھتا بھالتا ہے"۔ (المجادلہ6)

سچا مسلمان اپنے وقت کا بڑا خیال رکھتا ہے اس کی قدر کرتا ہے اسے اس چیز کا شدید احساس ہے کہ وقت اس کی عمر کا پیمانہ ہے۔ اگر وہ اسے اپنی کوتاہی سے ضائع کرے گا اور پریشانیوں اور تکلیفوں میں بھی متنبہ نہ ہوگا تو وہ اپنے اس غلط روّیے سے اپنے پاؤں پر آپ ہی کلہاڑی مارے گا۔

انسان اپنے ربّ ہی کی طرف جاتا ہے اور آسمان کی ہر گردش ہر روز ایک نئی صبح کو جنم دیتی ہے۔ یہ انسانی زندگی کا ایک ایسا مرحلہ ہے جس میں کوئی ٹھہراؤ نہیں۔ انسانی عقل کا تقاضا

یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھے، اسے ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ اور اپنے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں دانش مندانہ روّیہ اختیار کرے۔ یہ خودفریبی ہے اگر آدمی اپنے آپ کو ٹھہرا ہوا سمجھ لے، جب کہ زمانہ مسلسل چل رہا ہے، ریل گاڑی میں بیٹھے ہوئے آدمی کو ہر باہر کی چیز اگر دوڑتی نظر آتی ہے تو یہ نظر کا دھوکا ہے، حقیقت یہ ہے کہ زمانہ انسان کو اس کے اصلی ٹھکانے کی طرف ساتھ لے کر چل رہا ہے۔

اسلام ہی ایسا دین ہے جو وقت کی قدر و عظمت سکھاتا ہے۔ زمانے کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے اور اس دانائی کے مقولے کی تصدیق کرتا ہے: وقت تلوار ہے اگر تم اس کو کاٹو گے نہیں تو یہ تم کو کاٹ ڈالے گا۔ اسلام کے نزدیک ایک مسلمان کے ایماندار اور متقی ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ زمانے اور وقت کی حقیقت کو سمجھے اور اس کے تقاضوں کے مطابق راہ راست پر چلے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"رات اور دن کے آنے جانے میں اور زمین و آسمان میں اللہ کی تخلیق کردہ اشیاء میں متقی لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔ (یونس 6)

اپنے آئندہ کل سے غافل، حال میں مست اور اس دنیا کی چمک دمک سے مسحور لوگوں کو اسلام، احمق اور نقصان اٹھانے والے لوگوں میں شمار کرتا ہے۔

"بے شک جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی پر جی لگائے بیٹھے ہیں اور اس میں جن کو اطمینان ہے اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں ان سب لوگوں کا آخری ٹھکانہ آگ ہے، ان کے اعمال کی پاداش میں"۔ (یونس 7،8)

اسلام نے بڑی بڑی عبادتوں کو دِنوں کے حصوں میں اور سال کے حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ روزانہ کی پنجگانہ نمازوں کے اوقات دن کے چلنے کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ شریعت سے یہ ثابت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام، اللہ پاک کی طرف سے نمازوں کے شروع کے اور اخیر کے اوقات نشان لگا کر بتانے کے لئے زمین پر آئے تا کہ مسلمانوں کی اسلامی زندگی اس

محکم و دقیق نظام کے مطابق بن جائے اور طلوع فجر سے لے کر شفق کے غائب ہونے تک ہر ایک منٹ کا حساب رکھا جائے۔

"اور پاکیزگی بیان کرو اللہ کی جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو۔ اسی کی حمد کرتے رہو جس کی حمد آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور شام کے وقت بھی اور جب تم ظہر کرتے ہو"۔(الروم 17،18)

کوتاہ نظر زمانے کے محدود آثار کو دیکھتا ہے اور اس کے محسوس مظاہر و مناظر ہی پر نظر رکھتا ہے اور کہتا ہے:

"زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے اور انسان خوش رہتا ہے حالانکہ شب و روز کا جانا خود انسان کا (اس دنیا سے) جانا ہے"۔

لیکن زمانہ جوانسانوں کی پیشانیوں پر بل ڈال دیتا ہے، ان کی عمریں ختم کر دیتا ہے، ثقافتوں اور تہذیبوں کو مٹا ڈالتا ہے اور انسان اس کے عجیب و غریب کرشموں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے، بذات خود عقل مند اور روشن دماغ لوگوں کو نیک کام کرنے، دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے اور نفع بخش اجر کا ذخیرہ کرنے کا ایک موقع فراہم کرتا ہے۔

اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"مبارک ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور آسمان میں چراغ (سورج) اور چمکتا چاند بنایا۔اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو بنایا جو ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں (اور یہ نشانیاں ہیں) اس شخص کے لئے جس نے تذکیر و نصیحت حاصل کرنا چاہی اور شکر گزار بننے کا ارادہ کیا"۔(الفرقان)

رات دن کے بعد آتی ہے اور دن چلا جائے تو رات آجاتی ہے اور سب کچھ گھومنے والے آسمان کی حرکتوں کے تحت ہوتا ہے اور اللہ پاک نے یہ سب کچھ بے کار تخلیق نہیں کیا۔ بہت بری بات ہے اگر انسان اپنے خوبصورت وجود کو بے کار سمجھ لے۔ کائنات وسیع میدان ہے

جو مسابقت کی ایک لمبی دوڑ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔اس دوڑ میں آگے وہی نکلتا ہے جو اپنے ربّ کا عرفان رکھتا ہے اور اس کے حقوق کو یاد رکھتا ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور جو زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی روش کو بھی درست کرتا ہے اور عظیم راحت (اُخروی آسائش) کا ذخیرہ کرنے کے لئے اپنے نصب العین کی اصلاح کرتا رہتا ہے۔

ان حقائق و معانی سے غفلت برتنے والے پیش پا فائدوں (مفاد عاجلہ) کے پیچھے دیوانوں کی طرح گھومنے والے لوگ احمق ترین لوگ ہیں۔حکمت و دانائی کی کسی بات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے اور نہ کسی درسِ عبرت سے ان کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

" کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر سال ایک یا دو بار آزمایا جاتا ہے، پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ تذکیرو نصیحت حاصل کرتے ہیں"۔(التوبہ126)

انسان کی عمر اس کا اصل سرمایہ ہے جس کے خرچ کرنے کے بارے میں جلد ہی سوال کیا جائے گا اور اس عمر میں جو کام کئے ان کا حساب بھی لیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ان چار باتوں کے بارے میں پوچھ گچھ کے بغیر قیامت کے روز کسی بندے کا ایک قدم بھی نہیں ہلے گا:

1- **عمر**،اور اسے کن کاموں میں ختم کیا؟۔

2- **جوانی**،اور اسے کیسے گزاری اور بوڑھا ہو گیا؟۔

3- **مال**،اسے کہاں اور کس مصرف میں خرچ کیا؟۔

4- **علم**،اس پر کتنا عمل کیا؟۔

اسلام نے اوامر و نواہی میں بھی وقت کی قدر و قیمت کا بہت خیال رکھا ہے۔اسلام نے لغو باتوں سے پہلو تہی کو ایمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے تو یہ ان بے کار لوگوں کے جتھے کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے نہایت دانش مندانہ قدم اٹھایا ہے جو اپنے دوستوں سے

کہتے ہیں آ ؤیار! ہم جی بہلا کر وقت کاٹیں۔احمق لوگ کیا جانیں کہ محض وقت کاٹنا عمر کے ساتھ کھیل کرنا ہے اور اس طرح وقت کاٹنا فرد کی ہلاکت ہے اور معاشرے کی متاع زیست کو ضائع کر دینا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کا ایک قول ہے: "فجر کی سفیدی پھوٹتی ہے تو حق کی طرف سے ایک منادی ندا دیتا ہے، اے ابن آدم! میں نئی تخلیق ہوں اور تیرے عمل کا گواہ ہوں تو مجھ سے عمل صالح کا توشہ لے لے، میں پھر قیامت تک واپس نہیں آؤنگا" ۔

اس قسم کے دانائی کے مقولوں کا سرچشمہ اسلامی روح ہے اور ان شاندار تعلیمات میں غور وفکر کا نتیجہ ہیں جو دنیاوی زندگی کی اُخروی زندگی میں افادیت کے سلسلے میں اسلام نے ہمیں عطاء کی ہیں۔یہ خدا کا فضل اور اس کی مہربانی وتوفیق کی علامت ہے۔اگر کوئی آدمی اپنی عمر کا ایک ایک پل نیک کام میں گزار دے اور اس کی ہر کوشش کسی نئی کوشش کا ابتدائیہ ہو۔

"اور یہ اللہ کی رحمت کی نشانی ہے کہ اس نے رات تمہارے آرام کیلئے بنائی اور دن اس لئے بنایا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تم شکر گزار بن کے رہو"۔(القصص 73)

افسوسناک بات یہ ہے کہ عام لوگ اپنے اوقات کو بے کار کاموں میں گنوا دینے کی پرواہ نہیں کرتے اور پھر اس جرم کے ساتھ ساتھ وہ دوسرے لوگوں کے اوقات بھی ضائع کرتے ہیں،ایسے لوگ، نیک لوگوں اور بھلائی کے کام کرنے والوں کی پُر کیف خلوتوں میں مخل ہوکر،انہیں بے کار اور گھٹیا قسم کے کاموں میں لگا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے: "دو نعمتوں پر اکثر لوگ دھوکہ میں رہتے ہیں۔ ایک صحت اور دوسری فراغت (فرصت کے لمحات)"۔(بخاری ومسلم)

اسلام کے نقطہ نظر کے مطابق وقت کا بہترین استعمال یہ ہے کہ ہر نیک عمل پابندی سے کیا جائے اور خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔اور ایسے عمل کو اسلام نے ناپسند کیا ہے، جس کا تسلسل اکثر ٹوٹتا رہے،اس لئے کہ تھوڑا سا عمل اگر برابر، ہمیشہ اور پابندی سے کیا جائے گا تو زمانہ گزرنے

کے ساتھ یہی تھوڑا تھوڑا عمل پہاڑوں کے ہم وزن بن جاتا ہے اور آدمی کو اس کا اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

اگر انسان اچانک کسی خواہش کے زیر اثر بہت سا وقت ضائع کر دے یا فضول کاموں میں گزار دے اور پھر بعد میں بیزار ہو کر اور تھک ہار کر بیٹھ جائے تو یہ اسلام کے مزاج کے قطعی خلاف ہے۔ اور اسلام کی نظر میں نہایت ہی مکروہ عمل ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

"اے لوگو! عمل اتنا کرو جتنی تم میں ہمت ہے۔ اللہ پاک تم سے اس وقت بیزار ہوتا ہے جب تم بیزار ہونے لگتے ہو۔ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہو، خواہ تھوڑا ہو"۔ **(بخاری و مسلم)**

ایک روایت ہے: "راہ راست پر استقامت سے چلتے رہو، ایک دوسرے کے قریب رہو (**یعنی حسن سلوک کو شعار بناؤ**)، صبح کا وقت اور شام کا وقت یادِ خدا میں گزارو اور تھوڑا سا وہ وقت بھی جسے جھٹ پٹے کا وقت کہتے ہیں (شام کے بعد رات کا ابتدائی اندھیرا) اور میانہ روی کو اختیار کرو، تم مقصد کو پا جاؤ گے۔ **(بخاری و مسلم)**

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس بنو اسد قبیلہ کی ایک عورت تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون عورت ہے؟ میں نے کہا فلاں عورت ہے جو رات کو سوتی نہیں (رات بھر اللہ کی عبادت میں مصروف رہتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: چھوڑو، تم لوگوں پر تمہاری طاقت کے مطابق اعمال فرض کئے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو وہ نیک کام زیادہ پسند تھا جو ہمیشہ پابندی سے کیا جائے"۔ **(مسلم)**

اسلام کے نزدیک وقت کی اتنی اہمیت ہے کہ یہ صبح کو جلد اٹھ جانے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ مسلمان سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دن کے کام بڑی پھرتی سے خوش دلی کے ساتھ اور بھرپور عزم کے ساتھ انجام دے اس لئے کہ دن کے پہلے وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے نتیجے میں انسان کے اندر یہ خواہش شدید ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے سارے دن کو بے کار ضائع نہ کر دے۔

اسلامی نظام حیات کے مطابق ایک شخص اپنے دن کی ابتداء فجر سے ہی کر دیتا ہے۔ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے مکمل طور پر بیدار ہو جانا اس کے لئے ضروری ہے اور اسلام ایسی غفلت کی نیند کو اور رات کو دیر تک جاگنے کو اس لئے ناپسند کرتا ہے کہ اس سے صبح کی نماز میں مسنون وقت سے تاخیر ہو جاتی ہے۔حدیث میں آتا ہے:

"اے اللہ! صبح جلد اٹھ جانے میں میری امت کو برکت دے"۔**(ابو داؤد)**

<u>چاشت تک سوتے رہنا قوموں کی غفلت پسندی اور محرومی کی علامت ہے۔</u> سورج جب طلوع ہوتا ہے،تو یہ خراٹے لے رہے ہوتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ سورج چڑھتے ہی وسائل معاش میں اور اُخروی نجات و کامیابی کے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے تو میں لیٹی ہوئی تھی اور صبح ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پاؤں سے حرکت دے کر کہا، پیاری بیٹی! اٹھ جاؤ اور اپنے ربّ کے رزق کو پا جاؤ۔غفلت شعاروں میں شامل نہ ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک انسانوں کے درمیان رزق تقسیم کر دیتا ہے"۔ (البھیقی)

<u>یہی وقت ہے جس میں زندگی کا سنجیدہ شعور رکھنے والے محنتی اور کسل مندوں کی تمیز ہو جاتی ہے۔</u> چنانچہ ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق دیا جاتا ہے دنیا کی برکات بھی اور آخرت کی آسائشیں بھی۔

زمانہ جس طرح اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں کا بوجھ بندوں کی گردنوں پر ڈال دیتا ہے اسی طرح وہ انسانوں پر خیر و شر کے مکمل فیصلے بھی نازل کرتا ہے۔مذکورہ بالا ہدایات، زمانے کے دو ٹوک فیصلے ہیں جو سراسر سچی نصیحتیں ہیں اور گوش دل سے سننے والے کے لئے درس عبرت بھی۔

"اللہ پاک دن رات کو پلٹتا رہتا ہے اواس انقلاب زمانہ میں دیکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔(النور44)

انسان حوادثِ زمانہ کو دیکھتے ہیں اور جو انہیں سامنے لاتا ہے اسے بھلائے رکھتے ہیں۔ راحت پاتے ہیں، تکلیف اٹھاتے ہیں، لیکن اس ذات کے بارے میں تجاہل سے کام لیتے ہیں جو انہیں دونوں طرح کے مزے چکھاتی ہے اور جب ان کا ناک میں دم آتا ہے تو زمانے کو اور اس کی لائی ہوئی مصیبتوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہ اللہ پاک کے بارے میں ایک طرح کی نادانی ہے اور بندوں کی خدائی فیصلوں سے غفلت ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"آدم کا بیٹا مجھے بہت ستاتا ہے۔ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں، سارے کام میرے ہاتھ میں ہیں رات اور دن کو میں ہی پھیر پھیر کر لاتا ہوں"۔(ابوداؤد)

یعنی زمانہ انسانوں کو نہ فائدہ پہنچاتا ہے جس سے وہ خوش ہوتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف دیتا ہے جس سے وہ غم زدہ ہو جاتے ہیں، یہ سب کچھ زمان و مکان کا ربّ ہی کرتا ہے۔

"ہر جان، موت کو چکھنے والی ہے اور ہم نفع اور نقصان کے ذریعے تمہاری آزمائش کرتے ہیں اور آخر الامر تم ہماری طرف واپس لائے جاؤ گے"۔(الانبیاء35)

اللہ پاک انسانوں پر جو مختلف احوال (راحتیں اور مصیبتیں) نازل کرتا ہے تو یہ ایک ضابطے کے تحت ہوتے ہیں جس میں عارفانِ حق جتنا تدبر کرتے ہیں اتنا ہی ان کا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور اللہ کے دیدار پر ان کا ایمان اتنا ہی زیادہ مستحکم ہوتا ہے۔

"اللہ پاک ہر فیصلے کو بڑی تدبیر کے ساتھ نافذ کرتا ہے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم کو اپنے رب کے دیدار کا یقین ہو سکے"۔(الرعد2)

احمق لوگوں پر اچھے برے حالات سب گزر جاتے ہیں مگر وہ ان کے آنے جانے سے کوئی مفید سبق حاصل نہیں کرتے۔حدیث میں آتا ہے: "منافق جب بیمار ہو کر شفا پاتا ہے تو اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جسے مالکوں نے باندھ دیا ہو اور جب اس کو کھولا ہو تو اسے معلوم نہ ہو کہ کس لئے

اسے باندھا گیا تھا اور اسے آزاد کس لئے کیا گیا ہے"۔(ابوداؤد)

وہ شخص مومن ہی نہیں جسے زمانہ کے تلخ و شیریں تجربات نے مہذب نہ کیا اور شب و روز نے جس کو سیدھا نہیں کیا۔انسانوں کو آلام و مصائب سے جو سابقہ پڑتا ہے تو اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ جاہل آدمی ان سے درسِ عبرت حاصل کرے، غافل ہوشیار ہو جائے اور جو خدا کو بھولا ہوا ہے وہ خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔

بشری طبیعت کا نقص یہ ہے کہ انسان ہمیشہ تکلیف کے وقت اپنے ربّ کو جانتا ہے اور جب انتہائی مشکل پیش آتی ہے اور اس کا رخ خدا کی طرف پھیر دیتی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے ربّ کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط و مستحکم رکھے۔تنگی و دشواری زائل ہو جانے کے بعد عافیت مل جانے پر بھی۔انتہائی کمینگی یہ ہے کہ انسان اللہ کے فضل و کرم کا انکاری اس خیال سے ہو جائے کہ اب وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہے۔

ایسے اسراف پسند لوگ، جن کو وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہوتا وہ اپنی مصیبتوں کی نوعیت بہت کم سمجھتے ہیں اور پیش آنے والے حادثات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ایسے لوگ خطرے کی حالت میں اللہ کے حضور فریاد کرتے ہیں اور امن کی حالت میں اس سے بھاگ جاتے ہیں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں لیٹے ہوئے بھی پکارتا ہے یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے اور جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ پھر چل دیتا ہے گویا اس نے ہمیں اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی تھی۔اسی طرح بے باکوں کو پسند آیا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں"۔ (یونس 12)

ایک گردن زدنی بدو کی ضمانت ! (سنہری فیصلہ)

(عبدالمالک مجاہد)

امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ مجلس میں جلوہ افروز تھے۔ اتنے میں دو نوجوان ایک دیہاتی آدمی کو پکڑے ہوئے لائے اور حضرت عمر بن خطابؓ کے سامنے اسے کھڑا کر دیا:

امیر المومنین نے پوچھا: بات کیا ہے؟ نوجوانوں نے عرض کی: اے امیر المومنین! اس نے ہمارے والد کو ناحق قتل کیا ہے۔ امیر المومنین نے پوچھا: تو نے ان کے باپ کو کس طرح قتل کیا ہے؟

دیہاتی نے جواب دیا: وہ اپنا اونٹ لے کر میری زمین میں داخل ہو گیا، میں نے اسے داخل ہونے سے منع کیا لیکن اس نے ماننے سے انکار کر دیا، چنانچہ میں نے پتھر اس کو دے مارا۔ پتھر اس کے سر پر لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے دیہاتی کی گفتگو سنی اور فرمایا: قصاص، قصاص !! (یعنی خون کا بدلہ خون!!)

کوئی اقرار نامہ نہیں لکھا گیا بلکہ یہ فیصلہ ایسا تھا جس میں کسی مناقشے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس دیہاتی کے خاندان کی بابت نہیں پوچھا کہ وہ کس قبیلے کا ہے؟ کیا وہ کسی معزز قبیلے کا ہے؟ کیا اس کا خاندان مضبوط اور طاقتور ہے؟ سوسائٹی میں اس کی کیا پوزیشن ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے ان سب چیزوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور نہ اس سلسلہ میں انہیں کوئی فکر دامنگیر ہوئی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں کسی کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے اور نہ شرعی حساب و کتاب میں کسی سے کوئی نرمی برتتے تھے۔

دیہاتی نے عرض کی: اے امیر المومنین! میں آپ سے اس ذات کا واسطہ دے کر

گزارش کرتا ہوں جس کے سبب آسمان وزمین قائم ہیں کہ آپ مجھے صرف ایک رات کے لئے چھوڑ دیں تا کہ میں گاؤں جا کر اپنی بیوی اور بال بچوں سے ملاقات کرآ ؤں اور انہیں اس بات سے آگاہ کردوں کہ عنقریب میں قتل کیا جانے والا ہوں۔ اس بات سے آگاہ کر کے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے بعد میرے سوا میرے بال بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی اور نہیں ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا: تو گاؤں جانے کے بعد میرے پاس لوٹ کر آئے گا، اس بات کی ضمانت کون دے گا؟

امیر المومنین کی بات سن کر لوگوں کا مجمع خاموش ہو گیا، کیونکہ کوئی بھی آدمی اس دیہاتی کا نام تک نہیں جانتا تھا، اور نہ کسی کو اس کے گھر یا خاندان کا پتہ تھا، پھر ایسی صورت میں بھلا کون اس کی واپسی کی ضمانت دے سکتا تھا؟ اور وہ ضمانت بھی ویسی نہیں تھی کہ دس بیس دینار، یا اونٹ گھوڑا یا جائیداد وزمین دے کر سبکدوش ہوا جا سکے، بلکہ یہ گردن کی ضمانت تھی کہ اگر وہ دیہاتی واپس آ گیا تو خیر، ورنہ تلوار سے ضامن کی گردن اڑا دی جائے گی۔

شریعت اسلامیہ کے قانون کی تنفیذ رکوانے کے لئے عمر بن خطابؓ کے سامنے کون آ سکتا تھا؟ کون ان کے سامنے حدود الٰہیہ میں سفارش کی جرات کر سکتا تھا؟ کس کے بس کا روگ تھا کہ وہ خطاب کے بیٹے کے سامنے واسطہ بن سکے؟۔

غرض سارے صحابہ کرامؓ خاموش تھے۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ امیر المومنین بھی بڑے متفکر و متاثر تھے، وہ ایک مشکل گرداب میں پھنس چکے تھے کہ اب کیا کریں؟ آیا اس اعرابی کو قتل کر دیں اور اس کے بال بچے گاؤں میں بھوک سے مر جائیں یا اسے گھر جانے کی اجازت دے دیں اور وہ کسی کی ضمانت دیے بغیر چلا جائے اور اگر واپس نہ آئے تو پھر مقتول کا قصاص یونہی رہ جائے!!

سارا مجمع خاموش تھا۔ امیر المومنین نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا، اور پھر مقتول کے دونوں نوجوان بیٹوں سے فرمایا: " کیا تم دونوں اس قاتل اعرابی کا جرم معاف کر سکتے ہو"؟

نوجوانوں نے عرض کی: نہیں، اپنے باپ کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچائے بغیر ہم نہیں چھوڑ سکتے۔
امیر المومنین نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: اے لوگو! اس اعرابی کی ضمانت مجھے کون دے سکتا ہے؟۔
مجمع میں سے ایک آواز آئی: ہاں اے امیر المومنین! میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔
یہ ایک بزرگ تقوئی شعار کی آواز تھی، یہ جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ تھے۔
امیر المومنین نے فرمایا: یہ قتل کی ضمانت ہے، قتل کی!! ابوذر غفاری نے عرض کی: خواہ قتل ہی کی ضمانت کیوں نہ ہو!! امیر المومنین نے پوچھا: کیا آپ اس دیہاتی کو پہلے سے جانتے ہیں؟ ۔حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا: اس سے پہلے کوئی شناسائی نہیں۔
امیر المومنین نے فرمایا: پھر کس بنیاد پر آپ اس شخص کی ضمانت دے رہے ہیں؟
ابوذر غفاریؓ نے عرض کی: میں نے اس کے اندر مومنوں کے آثار دیکھے ہیں، اس لئے میں نے بھانپ لیا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے انشاءاللہ یہ ضرور آ جائے گا۔
امیر المومنین نے فرمایا: اے ابوذر! کیا آپ اس گمان میں مبتلا ہیں کہ اگر اس اعرابی نے آنے میں تین دنوں سے زیادہ تاخیر کر دی تو میں آپ کو چھوڑ دوں گا اور آپ کی جان بخشی ہو جائے گی؟
ابوذر غفاریؓ نے عرض کی: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے
چنانچہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اس دیہاتی کو تین دن کی رخصت دے دی کہ وہ ان ایام کے دوران میں جا کر اپنے بچوں اور بیوی سے آخری کلمات کہہ آئے اور ہو سکے تو کسی کو ان کا کفیل بنا دے ۔امیر المومنین کی اجازت پا کر دیہاتی اپنے گھر کو چلا گیا۔
تیسرے دن جب دیہاتی نہ پہنچ سکا تو حضرت عمر بن خطابؓ نے مدینہ منورہ میں عصر کے وقت کا اعلان کرا دیا۔
قصاص طلب کرنے والے دونوں نوجوان حاضر ہوئے اور لوگوں کا ازدحام ہو گیا۔
حضرت ابوذر غفاریؓ بھی تشریف لائے اور آ کر حضرت عمرؓ کے سامنے بیٹھ گئے۔
حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: دیہاتی کدھر ہے؟

حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا: مجھے نہیں معلوم اے امیر المومنین!

حضرت ابو ذر غفاریؓ سورج کو دیکھ رہے تھے جو تیزی کے ساتھ ڈھل رہا تھا۔ صحابہ کرامؓ خاموشی کے ساتھ حیران و ششدر سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے جن کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ تھا۔

یہ بھی سچ ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے دل میں بستے تھے لیکن یہاں مسئلہ شریعت کا تھا، یہ دستورالٰہی کا معاملہ تھا، یہ قوانین الٰہیہ کا مسئلہ تھا جن سے کھلواڑ نہیں کیا جا سکتا اور نہ انہیں لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے تقسیم کیا جا سکتا ہے، کہیں شرعی قوانین کا چہرہ مسخ نہ ہو جائے۔ نیز ظروف و حالات سے تجاوز کر کے حد نافذ نہیں کی جا سکتی اور نہ ایک آدمی کی جگہ دوسرے کا خون کیا جا سکتا ہے۔

آفتاب غروب ہونے کے لئے ڈھل چکا تھا غروب سے تھوڑا پہلے سورج کی سرخی نظر آنے لگی تھی اور چند ہی لمحوں میں وہ پوری طرح سے غروب ہونے والا تھا کہ یکا یک وہ اعرابی نمودار ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اسے دیکھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور پھر وہ اعرابی تیز قدموں سے چلتے ہوئے لوگوں کے مجمع میں پہنچ گیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اے آدمی! اگر تو اپنے گاؤں ہی میں رک جاتا تو ہم تجھے نہیں جان سکتے تھے اور نہ تیرے گھر کا پتہ چل پاتا۔"

دیہاتی نے جواباً کہا: "اللہ کی قسم! میرے اوپر آپ کا کوئی زور نہیں ہے لیکن مجھے اس ذات کا خوف ہے جو تمام رازوں اور پوشیدہ سے پوشیدہ باتوں کا بھی علم رکھتا ہے"۔

امیر المومنین نے مقتول کے دونوں نوجوان بیٹوں سے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے؟

نوجوانوں نے روتے ہوئے عرض کی: اے امیر المومنین! اس دیہاتی کی صداقت کی وجہ سے ہم اس کو معاف کر رہے ہیں۔ امیر المومنین نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو آپ کی داڑھی پر گرنے لگے۔

گناہ کی حقیقت

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

(ا) اسباب گناہ ایک مسلمان سے لغزش یا غلطی کا صدور صرف اس وقت ہوتا ہے جب وقتی طور پر اس کا ذوقِ حسن صحیح نصب العین سے مخالف سمت میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی خیال فاسد اسے اپنی جانب متوجہ کر کے جذبہ محبت کی غلط سمت میں راہنمائی کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل صحیح نصب العین کی بجائے کسی باطل نصب العین کی مقصد براری کرتا ہے چنانچہ ایک غلطی یا سیاہ کاری دوسری غلطیوں کے لیے راہ ہموار کر دیتی ہے کوئی باطل یا فاسد خیال ایک ضعیف الاعتقاد شخص کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیتا ہے کہ اگر وہ اس کام کو انجام دے لے تو اسے مسرت حاصل ہوگی یا کسی عارضی رنج والم سے چھٹکارا ہو جائے گا حالانکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس عمل کے تقاضے اس کے حسن مطلق کے ساتھ رشتہ محبت کے تقاضوں اور مطالبوں کے خلاف اور متضاد ہیں چنانچہ اصل مسئلہ اس کی اپنی خودی اور اس کے استحکام کا ہے اگر اس میں پختگی نہیں ہے تو وہ حقیقی محبوب اور اس کی محبت کو پس پشت ڈال کر اس عارضی آرام یا مسرت کو ترجیح دے دیتا ہے بالفاظ دیگر وہ اس لمحے کے لیے حقیقی ایمان اور محبت الٰہی سے تہی دامن ہو جاتا ہے اور اس سے غلط اعمال کا صدور ہوتا ہے۔

(ب) گناہ کا خودی پر اثر جب باطل خیال اور اس کے زیر اثر باطل عمل وقوع پذیر ہو جاتا ہے اور اس کی عارضی لذت ختم ہو جاتی ہے تو ایک صحیح الاعتقاد مسلمان اس لغزش اور نسیان کے بعد دوبارہ اپنے محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی یہ محبت کمزور پڑ گئی ہے اور شیطانی افعال و خیالات کے ساتھ اس کا رشتہ مضبوط ہو رہا ہے فطرت کا اٹل قانون ہے کہ جیسے خیالات ذہن انسانی میں گھر کیے رہیں گے اور جس قسم کے افعال کا ظہور اس کے اعضاء و جوارح سے ہوگا ان کا ایک گہرا اثر اس کے قلب و ذہن پر پڑے گا یہ حقیقت نیک افعال کے

بارے میں بھی اتنی درست ہے جتنی افعال شنیعہ کے بارے میں ۔چنانچہ امر واقعہ یہ ہے کہ کوئی فعل خواہ وہ کتنا ہی حقیر ہو انسانی خودی کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور اس کی تعمیر یا تخریب کا کام کرتا ہے۔

گناہ سے بچنے کا طریقہ

ایک غلط خیال پہلے پہل انسان کی قوت متخیلہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور بعد ازاں اس کے قوائے عمل پر گرفت حاصل کرتا ہے جونہی یہ ذہن میں داخل ہوتا ہے اس لمحے وہ اس محبت پر نقب زنی کرتا ہے جو صحیح نصب العین کے لیے مختص ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ خیال اتنا قوی ہوجاتا ہے کہ وہ انسان سے عمل بد کروانے میں کامیاب ہوجاتا ہے چنانچہ ہونا یہ چاہیے کہ خیال فاسد کو ذہن میں آنے کے بعد فوراً ہی دبا دیا جائے کیونکہ دیر تک غلط سوچ کا ذہن پر مستولی ہونے کا نتیجہ عمل بد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے غلط سوچ اور فکر ہی ہمیشہ غلط کام کا پیش خیمہ ہوتا ہے جس کو شیطانی وسوسے کے تحت کچھ وقت کے لیے ذہن میں گل کھیلنے کا موقع دے دیا جاتا ہے اگر فکر بد کو تخیل کی سطح پر فوری طور پر ختم نہ کیا جائے یہ لازماً عمل بد پر منتج ہوتا ہے چنانچہ ایک مومن صادق کے خیال میں جونہی کوئی شیطانی وسوسہ آتا ہے وہ فوراً متوجہ ہوکر شعوری طور پر اسے اپنے ذہن وقلب سے نکال باہر کرتا ہے کیونکہ وہ ایک پل بھر کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتا ان مومنین صادقین کی یہ شان قرآن کریم نے اس طرح بیان کی ہے۔

(ترجمہ) حقیقت میں یہ لوگ متقی ہیں (اُن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ) کبھی شیطان کے اثر سے کوئی بُرا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہوجاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے (کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے)

غلط خواہش نفس سے بچنے کا نقد فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت بڑھ جاتی ہے اور وہ اس دنیا میں بھی خوف وحزن سے محفوظ رہتا ہے اور آخرت میں جنت نعیم کا حقدار بنتا ہے جب تک انسان کے ذہن وقلب کے کسی گوشے میں باطل نظریے کے ساتھ تعلق کا کوئی شائبہ پایا

جا تا ہے خواہ اس نے ابھی عمل اس باطل نظریے کے مطابق نہ کیا ہو وہ حقیقی معنوں میں مومن صادق اور محبِّ صادق نہیں ہے جیسا ایک حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے اس میں ایمان ''رائی کے دانے کے برابر'' بھی نہیں رہتا۔

گناہ انسان کی فطرت سلیم کے خلاف عمل ہے جو انسانی خودی کے ارتقاء اور ترفع کے عمل میں منفی کردار ادا کرتا ہے یہ انسان کے باطن کی قلبِ ماہیت کر کے اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہے اس کو ہٹائے بغیر کوئی مسلمان روحانی ترفع حاصل نہیں کر سکتا۔

گناہ کے بُرے عواقب سے بچنے کا طریقہ: تطہیر نفس

گناہ کے برے عواقب اور اثرات سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان معصیت کے ارتکاب کے فوراً بعد خود احتسابی کرے اور یہ دیکھے کہ وہ کون سی ذہنی کیفیت اور حالت تھی جس کی وجہ سے معصیت کا ارتکاب ہوا۔ اسے اس بات کی ازحد پشیمانی ہونی چاہیے کہ وہ جن نفسانی خواہشات کا غلام بن گیا تھا وہ انتہائی گھناؤنی اور قابل مذمت تھیں۔ جتنی گہری یہ پشیمانی ہوگی اتنا ہی اس بات کا امکان کم ہوگا کہ وہ دوبارہ اس گناہ کو دہرائے۔ اس مقصد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حسنِ ازلی پر دوبارہ بھرپور طریقے پر ارتکازِ توجہ کرے تا کہ اس تعلق قلبی میں جو کمی واقع ہو گئی تھی وہ پوری ہو جائے جونہی وہ معصیت اور اس کے غلط اثرات کو اپنے ذہن وقلب سے دھولیتا ہے، پھر انابت الی اللہ کے مراحل طے کرنے لگتا ہے۔ یہ تطہیری عمل جس کے ذریعے ایک عاصی انسان اپنے نفس کو پاک کرتا ہے توبہ یا رجوع الی اللہ کہلاتا ہے بطور ذہنی عمل رجوع یا توبہ کے چار اجزاء ہیں:

1- غلطی اور معصیت کا اعتراف، یعنی یہ احساس کہ جو کچھ اس نے چاہا یا کیا وہ انتہائی قبیح تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے تہہ دل سے اپنے کئے پر ندامت اور پشیمانی ہونا ضروری ہے

"اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کرلیا ہے ان کا عمل مخلوط ہے کچھ نیک ہے اور کچھ بد" (التوبہ 102)

2- خیال اور عمل دونوں کی سطح پر اس معصیت کو انجام نہ دینے کا عزم مصمم:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے حضور میں توبہ کرو، خالص توبہ" (التحریم 8)

3- معرفت الٰہی اور حب الٰہی کو دوبارہ حاصل کرنے کی بھرپور کوشش اور اس کے لئے اخلاقی اصلاح کی حتی المقدور سعی۔

"پھر جو کوئی ایمان لایا اور اس نے (اپنے طرز عمل کی) اصلاح کر لی تو ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے" (الانعام 48)

4- خالق حقیقی کی صفات حسنہ پر تجدید ایمان اور اس حقیقت کا یقین کہ اس کا مربی اور اس کی خودی کو بالیدگی اور نشو نما دینے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور نہیں ہے چنانچہ وہ اسی سے عفو و درگزر کا خواستگار ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسی کی خوشنودی اور رضا کے ساتھ حقیقی روحانی ترفع حاصل کر سکتا ہے۔ "اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بڑا مغفرت والا اور بڑا رحم کرنے والا پائے گا"۔ (القرآن)

دعائے مغفرت

ملتان سے حکیم اسلم شاہ کی بھابھی اور

بدو کی گوسائیاں سے بہن رخسانہ کی خوشدامن

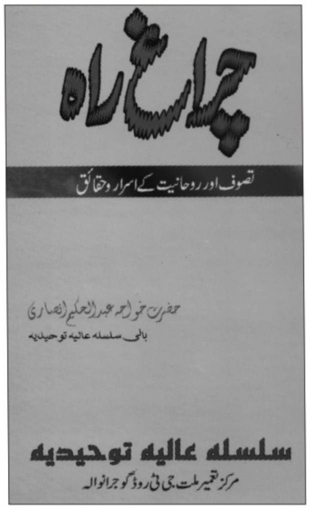
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

(اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ) اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

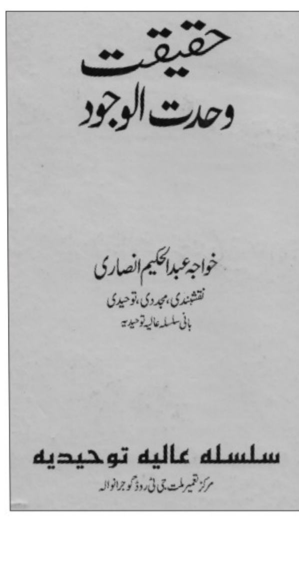
مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

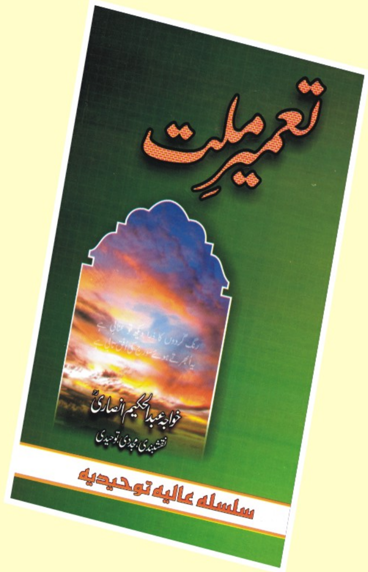
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



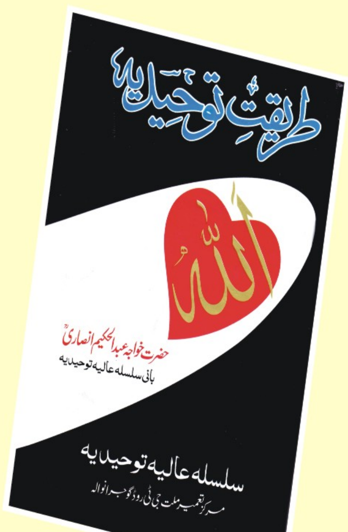
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔



مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com